اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لسانِ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر ۔ دارالعلوم ۔ ۴ | فون نمبر ۔ دھانیش ۔ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۹ | فروری ۔ مارچ ۔ ۱۹۷۴ء

شمارہ : ۴ | ذی الحجہ ۔ محرم الحرام ۔ ۱۳۹۴ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

★

بدل اشتراک ۔ پاکستان میں سالانہ دس روپے	فی پرچہ ایک روپیہ	غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز — لاہور کی اسلامی کانفرنس
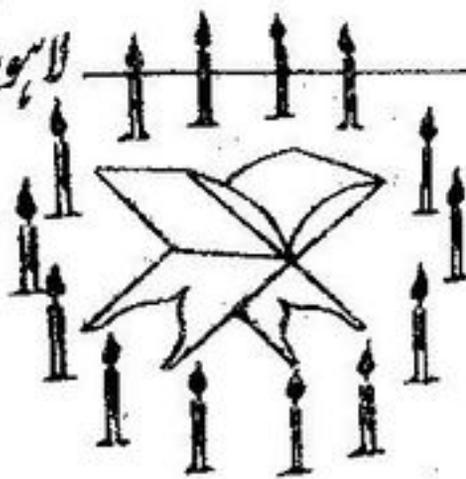
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے

لاہور کی مسلم سربراہ کانفرنس ایک ایسا اقدام ہے جس پر موجودہ حکومت ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی لائق تحسین ہے۔ گو کانفرنس سے عالم اسلام کے حق میں کسی بڑے اور اہم انقلابی فیصلے کی امیدیں وابستہ کرنا قبل از وقت سہی مگر مضمرات محرکات اور پاکیزہ مقاصد کی بناء پر مسلمان سربراہوں کا اتنا بڑا اجتماع بذاتِ خود ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ یہ اجتماعیت اور اتحاد ملی کا احساس اجاگر ہونے کی ایک واضح علامت ہے۔ اور مسلمانوں کیلئے ایک روشن مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا باہمی ربط و اتحاد اور ملی و فکری یک جہتی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور بقاء و سالمیت میں ریڑھ کی ہڈی جیسا مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن و حدیث اول تا آخر مسلمانوں کو اس اتحاد و اجتماعیت کا سبق اور باہمی افتراق و انتشار تحزب اور انشقاق سے پرہیز کی تلقین سے لبریز ہیں۔ اسلام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو جسد واحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تعبیر کرتا ہے۔ بنیانِ مرصوص، اسنان المشط اور جسد واحد سب اسی تعلیم اتحاد کی تمثیلات ہیں۔ تمام حکماء اسلام اور نورِ ایمانی سے سرشار اصحاب بصیرت علماء عارفین اور مورخین نے تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور ذلت و ادبار کا اولین سبب اسی اتحاد یا افتراق کو قرار دیا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے پہلے ہی دن اس راز کو پالیا تھا۔ اور عہدِ نبوی کے بعد افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے سیاسی، فکری، نظری اور علمی میدانوں میں کوئی حربہ ایسا نہ چھوڑا، جسے مسلمانوں پر نہ آزمایا گیا جس کی وجہ سے فکری کجروی نظریاتی گمراہی پر مبنی ہزارہا ہزار فرقوں اور جماعتوں کا ظہور ہوا اور الحاد و زندقہ، کفر و شرک، زیغ و فساد کا کوئی شعبہ نہ تھا، جو آئے دن مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال اور افتراق و

انشقاق میں مزید اضافہ نہ کرنا گیا ہو۔ بالخصوص یہود و نصاریٰ نے اس حربے کو خوب خوب استعمال کیا یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ خلافت عثمانیہ کی شکل میں رہی سہی اجتماعیت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی، قوم و وطن اور رنگ و نسل کے نام پر مسلمان لڑائے گئے، خلافت کا شیرازہ بکھرا اور اس کے چھوٹے چھوٹے اضلاع الگ الگ ریاستوں میں تبدیل کر دئے گئے۔ نتیجۃً مسلمان دنیا کی ایک فاتح سرخرو اور بالادست قوم ہونے کے باوجود اغیار کے دریوزہ گر اور دشمنوں کے رحم و کرم پر رہنے اور خوشی خوشی طوق غلامی پہننے والی قوم بن کر رہ گئے، اور یہ وہ قوم تھی جسے قدرت نے بے پناہ وسائل رزق، گوناگوں خزائن، بے حساب معدنیات، زمینی قوتوں، پٹرول، سونا، فولاد تک سے بے تحاشا مالا مال کر دیا تھا۔ افرادی لحاظ سے وہ دنیا کی ایک عظیم قوت تھی، جغرافیائی اتصال و ارتباط کے لحاظ سے بھی چین سے لیکر کاشغر تک وہ زمین کے لئے ناف اور دنیا کے لئے دل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یورپ نے آپس میں لڑا کر ان کے وسائل کو غنیمت سلطنتوں کو جاگیر اور افراد کو غلام بنا لیا وہ ہماری تمام جوہری توانائیوں کو حاصل کرتا اور ہمیں باہمی جنگ و جدال کے نتیجہ میں چار و ناچار اپنے ہی دامن میں پناہ لینے پر مجبور کر دیتا کہ ہم گرتے پڑتے اسی کے گھر پر دستک دیتے رہیں۔ اس سے اسلحہ کا سوال کریں اور اپنی خام قوتوں سے بنے ہوئے جنگی ہتھیار کو سود در سود دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔ اور یہ یورپ کا ایک ایسا شیطانی چکر ہے جس میں آزادی کے باوجود آج تک مسلمان ——— پھنسے ہوئے ہیں۔ ورنہ یورپ میں بالادستی کی کوئی ایسی بات نہ تھی وہ اس صنعتی انقلاب پر فخر نہیں کر سکتا جو انسانوں کو انسانوں سے لڑانے کا ذریعہ اور طبقاتی مسائل پیدا کرنے کا اہم سبب ہے اور جس کی ساری صنعتیں ایشیا اور افریقہ کے خام مواد پر موقوف ہیں اسکی صنعتی اور جنگی بالادستی مسلمانوں کے پٹرول کی مرہون ہے۔

رہ گئی مادی ترقی وہ بالآخر انسانوں کے نہ ختم ہونے والی ہوس و حرص اور خواہش و شہوت کی پرستش پر مبنی تہذیب و تمدن کا ذریعہ بن گئی، نتیجۃً انسان ایک غیر مہذب غیر فطری چوپایہ تو بن گیا۔ انسان نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ ایسا تہذیب و تمدن بھی۔ یورپ کی بالادستی کا نہیں زیردستی کا ذریعہ بنتا چاہئے تھا لیکن مسلمان اور افریشیائی اقوام پھر بھی زیردست اور مجبور و مقہور رہے۔ ذلت و ادبار ان کے مقدر کی چیز نہ تھی، لیکن اسی افتراق و انتشار اور باہمی جنگ و جدال نے انہیں غیروں کا لقمۂ تر بنائے رکھا۔ اور یہی دنیا اصل بیماری ہے جسکی وجہ سے ہر مسلمان ملک آج بھی کسی نہ کسی سطح پر داخلی اور خارجی بحرانوں میں مبتلا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا المناک سبق تو تازہ ہی ہے۔ صوبے صوبوں سے اور علاقے علاقوں سے لڑ رہے ہیں۔ ایران و عراق آپس میں برسرپیکار ہیں۔ مصر و لیبیا کا اتحاد معرض وجود میں آتے آتے رہ جاتا ہے۔

افغانستان اور پاکستان سرد جنگ میں مبتلا رہتے ہیں۔ مسلم اقلیتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں پٹ رہی ہیں۔ قبرص جل رہا ہے، فلسطین تڑپ رہا ہے۔ کشمیر نالہ کناں ہے۔ تھائی لینڈ اور فلپائن کے مسلمان سسک رہے ہیں۔ وسط ایشیا کے بچے کھچے اسلامی آثار بھی مٹ رہے ہیں۔ بھارت کے کروڑوں مسلمان بے دست و پا ہیں۔ عرب عجم سے بدگمان اور عجم عربوں سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

★

ایسے حالات میں مدتوں بعد اجتماع لاہور کی شکل میں روشنی کی ایک کرن عالم اسلام کے افق پر نمودار ہوئی تو کتنی مسرتوں ولولوں اور شادمانیوں کی بات ہوگی۔ بلاشبہ ایسے اجتماعات ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہمیں اجتماعی طور پر اپنے عروج و زوال فتح و شکست اور ذلت و پستی کے اسباب کا کھوج بھی لگاتے رہنا اور ساتھ ہی خرابی اور بربادی کا مداوا بھی کرنا چاہیئے، بلاشبہ اس اجتماع میں عربوں کے مسائل کو اولین مقام حاصل ہونا چاہیئے۔ مٹھی بھر یہودیوں کا اسرائیل استعمار کے بل بوتے جسد اسلام میں ایک خنجر اور ایک رستا ہوا ناسور بنا ہے۔ اسرائیل مسلمانوں کیطرف سے کسی بھی رواداری کسی بھی مصلحت کسی بھی چشم پوشی یا نرم رویہ کا مستحق نہیں بلکہ اس بارہ میں ہمارا اسوہ حضور نبی کریمؐ کی زندگی کا قول اور عمل ہونا چاہیئے۔ کہ ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے کہ جبرائیل کی اطلاع پر یہود کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لئے دوبارہ مستعد ہو گئے۔ اور وفات کے وقت بھی آخری وصیت یہی تھی کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیجئے، کہیں انہیں قدم جمانے کا موقعہ نہ ملے اور ارشاد ربانی یہی تھا کہ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ۔ جب تک فتنۂ کفر کی پوری بیخ کنی نہ ہو تمہیں آرام کرنے کا حق نہیں بلکہ تمہیں لڑتے رہنا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی ہمارے دین ہماری عزت ہماری عظمت رفتہ کی بحالی کی بات ہے۔ اس سے کم کوئی بات قبول کرنا اسلامی سربراہوں کیلئے خودکشی کے مترادف ہونا چاہیئے۔ لیکن ارض مقدس اور فلسطین کے ساتھ ساتھ قبرص و فلپائن اور کشمیر بھی نگاہوں سے مستور نہیں رہنا چاہیئے۔ ساری دنیا کے کافر ملکوں میں مسلم اقلیتیں بیشمار مسائل سے دوچار ہیں اور کہیں تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا، اسلامی زعماء اور ان کیلئے اس کا بھی حل تلاش کرنا ہوگا۔

★

اتحاد و باہمی ارتباط کیلئے ضروری ہے کہ مادی اور ظاہری تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مشترکہ فوجی ہائی کمان، باہمی تجارتی و معاشی تعلقات مشترکہ منڈی اپنی ایک، الگ مسلم جمعیۃ الاقوام مسلم خبر رساں

ایجنسیاں غیر سودی بنیادوں پر اسلامی بنک کا قیام یہ اور اس قسم کی ہزاروں چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی ترقی و بقاء اور فعالیت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اور اس پر اتحاد و ربط کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ مگر مسلمانوں کے اتحاد کا اصل سررشتہ ان تمام مادی اور ظاہری باتوں سے بڑھ کر جن غیر محسوس اور روحانی چیز دل پر ہے وہ ہے ایمان کی پختگی اور اسلام کی راستبازی اور اس سے صحیح اور کامل شکل میں وابستگی یہ روح اور عقیدہ کا رشتہ ہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ نہیں اگر صحیح معنوں میں کبھی جوڑا ہے۔ یا جوڑ سکتا ہے۔ وہ یہی رشتہ ایمان و اسلام اور اتحاد فکر و نظر ہے جس کے مقابلہ میں پوری زمین اور اس کے ساری قوتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو لوگ اتحاد فکر و نظر کو مادی حیثیتوں سے دیکھنے اور اسے جسمانی آرٹ و کلچر کے زاویوں سے ناپتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ غلطی پر ہیں۔ الفت و محبت اور اجتماع و ربط کے اسباب مسلمانوں کے اولین عہد سعادت میں بھی مادی نہیں ربانی اور خدائی تھے حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ——— والف بین قلوبھم۔ ایمان و اسلام کو ذریعہ الفت بنا دیا۔ اور آگے صرف زمینی اور مادی قوتیں نہیں بلکہ تمام ما فی الارض کی حقارت بھی کسی طرح واضح کر دی کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ——— مسلمان مشرق کا ہو یا مغرب کا ——— لا الہ الا اللہ کہنے اور اسلام اور عقیدہ کے اتحاد کے بعد کسی دوسرے کلچرل اور ثقافتی معاہدے کا محتاج نہیں عقیدہ کا استحکام اس اتحاد کو غیر فانی دوام بخش دیتا ہے۔

اس لئے ایسے اجتماعات اور کانفرنسوں میں اس بنیادی سبب ——— ایمان کی تجدید اسلام کی تعمیل اور اس سے اپنی وابستگی کو غور و فکر کا بنیادی مسئلہ بنانا چاہیئے۔ نظریاتی بنیادوں کی تطہیر و استحکام اس کے لئے قرآن اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اسلامی تعلیمات کو اپنی تعلیم و تربیت کی پالیسیوں کا محور بنانے پر غور کرنا چاہیئے، نوجوان نسل دین سے دور ہوتی اور ان کے دل و دماغ پر اغیار کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسلامی معاشرہ ہر جگہ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی زد میں ہے۔ عقائد و نظریات کو اوہام و خرافات شک اور تذبذب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اسلام کی نظریاتی سرحدات میں دخل اندازی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے۔ کچھ لوگ نئی نبوتوں کا علم اٹھا کر پورے عالم اسلام اور دنیا میں ملت مسلمہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہیں اور وہ ملت کے اتحاد سے لئے ضرب کاری بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے معاش و اقتصاد کا رشتہ اسلام سے توڑنا چاہتا ہے۔ تو کوئی اخلاق و افکار کا، کوئی سیاست کی گاڑی مدینہ طیبہ سے موڑ کر امریکہ اور روس کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے۔ تو کوئی اسلام کا نظام عدل یورپ کی لعنتی جمہوریت کے خراد پر چڑھا رہا ہے۔

یہ اور اس طرح وہ تمام باتیں جو امت مسلمہ، ابراہیمی ملت کے رشتۂ "اتحاد" "ملت" کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ اسلامی سربراہوں کے غور و فکر کا مرکز نہ بن سکیں تو نہ مسائل ختم ہو سکیں گے۔ نہ بیماری کا علاج ہو سکے گا۔

عالم اسلام کو جلد یا بدیر محض اعزاز و اکرام کے طور پر سہی کسی مرکزی شخصیت اور مرکزی لیڈر کے بارہ میں بھی سوچنا پڑے گا۔ جو خلیفہ اور خلافت ختم ہونے سے پیدا ہونے والی خلاء کی کچھ تو تلافی کر سکے اور مسلمانوں کی مرکزیت کا ذریعہ بن سکے۔ عربی زبان کی اشاعت و فروغ اور اسے باہمی اتحاد کا ایک بنیادی ذریعہ قرار دینا بھی وقت کے اہم تقاضوں میں شامل ہے۔ یہ اور اس طرح کی بیشمار چیزیں عالم اسلام کے لئے ایسے باہمی اتحاد کا ذریعہ بن سکتی ہیں جو پائیدار، مستحکم اور غیر فانی و لازوال ہو۔

ہماری دعا ہے کہ لاہور کی بین الاقوامی کانفرنس اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ مثبت نتائج کا ذریعہ ثابت ہو اور نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام اس کی برکات سے مالامال ہو اور خدا اسے دشمنوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھ کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر دے آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت مولانا میاں مسرت شاہ کاکاخیل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مولانا عبدالحق صاحب نافع گل مرحوم و مغفور جیسے جید اور ممتاز علامہ یگانہ کے ملال کے علاوہ کئی اور علمی و دینی حادثے بھی پیش آئے۔ ان داغ مفارقت دینے والے بزرگوں میں حضرت مولانا الحاج میاں مسرت شاہ صاحب کاکاخیل بھی شامل ہیں۔ موصوف نہ صرف جید عالم تھے بلکہ اپنی خداداد وجاہت، عزت و ثروت اور اثر و رسوخ کو بھی عمر بھر دین اور علوم دینیہ کی اشاعت و فروغ میں صرف کرتے رہے وہ اپنی حیات مستعار کو علمی اداروں اور دینی کاموں میں لگا کر انشاء اللہ حیات جاودانی حاصل کر چکے ہوں گے۔ مگر علمی و دینی حلقے ان کی جیتی جاگتی اور پر وقار شخصیت کو مدتوں روتے رہیں گے۔ دارالعلوم حقانیہ سے تو ان کا تعلق جسم و روح جیسا تھا۔ دارالعلوم کے تمام تنظیمی کاموں میں پیش پیش رہتے اور شوریٰ کے اجلاس کی توجان تھے۔ عموماً صدارت شوریٰ بھی آپ ہی فرماتے اور اپنی میٹھی حکیمانہ اور مشفقانہ باتوں سے ارکان کو نیا جوش اور ولولہ بخشدیتے۔ سیاسی مخالفتوں کے باوجود بھی علماء اور اہل علم کے قلوب میں ان کا وقار قائم رہا کیونکہ ان کا کوئی فیصلہ گو بظاہر عام مزاج کے خلاف بھی ہوتا مگر خلوص اور للھیت پر مبنی ہوتا۔ صوبہ سرحد کے علمی و دینی حلقے عموماً اور دارالعلوم حقانیہ میں خاص طور پر ان کی خلاء مدتوں محسوس ہوتی رہے گی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات قرب سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان اور تمام خاندان کو صبر جمیل اور ان کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی توفیق سے نوازے۔ مولانا مرحوم

کا مختصر سوانحی خاکہ یہ ہے ــــ ولادت ۱۸۹۰ء حکمت آباد نزد سرڈھیری تحصیل چارسدہ میں ہوئی،
جہاں ان کے والد بزرگوار مولانا میاں حکمت شاہ کی جائیداد تھی۔ آبائی قصبہ زیارت کاکا صاحب اور
سلسلۂ نسب مشہور بزرگ شیخ رحمکار مرحوم سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر شیخان ملا مرحوم
سے پائی اور درس نظامی کی ابتدائی کتب ۱۹۱۱ء میں حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی مرحوم کے قائم کردہ
مدرسہ عربیہ گدر میں پڑھیں۔ کچھ کتابیں طورو مردان کے علامہ مولانا عبدالجمیل مرحوم سے اور معانی و بیان کی
کتابیں علامہ عبداللہ میاں صاحب سے زیارت کاکا صاحب میں پڑھیں۔ مولانا عبداللہ میاں صاحبؒ
نے مسلول کا حاشیہ بھی لکھا تھا جسے اس وقت کابل کے امیر عبدالرحمان مرحوم نے شائع بھی کروایا ــ
معقولات کی کتابیں اپنے گاؤں میں مولانا صاحب حسن زئی اور مولانا صاحب ڈنڈوتہ سے پڑھیں یہ
دونوں منطق و فلسفہ کے جید اساتذہ میں سے تھے اور مرحوم کے والد بزرگوار نے اپنے سعادتمند بیٹے کو گھر
میں تعلیم دینے کیلئے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ تفسیر و حدیث کی اجازت وقت کے مشہور عالم صاحب
حق صاحب رجڑ چارسدہ سے حاصل کی ۱۹۱۷ء میں اپنے گھر پر ان کے والد مرحوم نے اپنے
اخراجات سے مدرسہ قائم کیا کہ آپ اس میں تدریس کا مشغلہ جاری کرسکیں۔ یہاں اور کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ رجڑ
میں حسبۃً للہ تدریس دیتے رہے۔

۱۹۲۶ء میں بسلسلۂ تجارت چوب افغانستان گئے۔ آخر وقت تک عمارتی لکڑی کی تجارت
ہی آپ کا ذریعہ معاش رہی۔ ۱۹۳۲ء میں اپنے فرزند مولانا ولایت شاہ صاحب کو بغرض تعلیم دیوبند لے
گئے۔ تو علم کے حصول اور اولاد کی علمی تربیت کا جذبہ اتنا تھا کہ والد بھی بیٹے کے ساتھ طلب علم میں
دوبارہ مشغول ہوگئے اور شیخ الاسلام مولانا مدنی مرحوم کی بخاری و ترمذی اور مولانا رسول خانؒ کی ابو داؤد، اور
مولانا محمد ابراہیمؒ کی مسلم شریف میں شرکت فرمائی اسی زمانہ میں دارالعلوم کے مہمان خانہ میں رہے۔

مولانا ولایت شاہ صاحب کی روایت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مرحوم کی آپ پر
خاص توجہ تھی۔ اور خصوصی طور پر بعد از نماز مغرب بھی اپنی قیام گاہ پر عربی زبان میں تقریر فرماتے ہوئے حضرت
مدنی مرحوم انہیں ترمذی شریف پڑھاتے رہے جسے آپ نوٹ کرتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ گھریلو مجبوریوں
کی وجہ سے انہیں حضرت مدنیؒ کے مشورہ اور اجازت سے بادل ناخواستہ دیوبند سے واپس آنا پڑا ــ
۱۹۴۰ء میں ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو ان کے کاروبار کا سارا بوجھ بھی انہیں اٹھانا پڑا۔ مگر پھر بھی قومی
و دینی کاموں میں برابر حصہ لیتے رہے۔

پہلی دفعہ ۱۹۳۸ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۶۱ء میں اپنے اہل و عیال و اعزہ کے ساتھ زیارت

حرمین شریفین کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ عمر کافی تھی مگر قویٰ و اعصاب کے لحاظ سے نہایت
قوی بہادر اور جفاکش تھے۔ ۱۲ر دسمبر ۷۳ء کو مرض نے آلیا جو بظاہر بہت معمولی تھا مگر بالآخر مرض وفات
ثابت ہوا۔ گھر پر اور پھر پشاور کے ہسپتالوں میں اور اعلیٰ ڈاکٹروں سے علاج کرایا گیا مد علاج مرگ کس کے
پاس تھا۔؟ مرض میں فالج کا بھی اضافہ ہوا جو بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور بالآخر جمعہ کی رات اپنی جان جان آفرین کے
سپرد کر دی دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد جو عام طور پر ۹ر ذی الحجہ کا دن تھا۔ مگر ان کے علاقہ میں عید الاضحیٰ
کا مبارک دن، نماز جنازہ ہوئی اور محبوب حقیقی کی رضا کے یہ طلبگار اپنے محبوب سے جا ملے، جمعۃ المبارک
کے ساتھ عید اور پھر وصال حقیقی، کئی سعادتیں تھیں جو جمع ہو گئیں اور شاید شاعر نے انہی کے لئے کہا تھا کہ ؎

عیدٌ و عیدٌ و عیدٌ لی اجتمعا
وجہ الحبیب و یوم العید والجمعا

علماء طلباء، امراء اور دردمند مسلمان بڑی کثرت سے جنازہ میں شریک ہوئے اور اسلاف
کے اس نمونہ پر جی بھر کر روئے۔ جو اپنی ذات میں دنیاوی امارت و ثروت کے ساتھ علماء کے فقر و زہد
اور وقار و تمکنت، صوفیا کا سوز و گداز، شرفاء کا رکھ رکھاؤ اور اپنی قوم پٹھانوں کے روایتی طور طریقے
عزت و حمیت سب کچھ سمیٹے ہوئے تھے۔ جنازہ ان کے فرزند مولانا ولایت شاہ نے پڑھایا اور
تدفین کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے اپنے اس دیرینہ محب قدیم کی ذات کو دل کھول
کر خراج تحسین پیش کیا۔ علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ اور دیگر علماء نے بھی تقریریں کیں اور رفع درجات کی
دعائیں ہوئیں۔ فرحمۃ اللہ وارضاہ ورضی عنہ۔

★

ان کے علاوہ گذشتہ ماہ کئی اور ایسے حضرات نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا جنہیں علمی، دینی اور
قومی و ملی دنیا میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ سعودی عرب کے الشیخ محمد الامین الشنقیطی مرحوم رابطہ
عالم اسلامی مکہ معظمہ کے بنیادی رکن اور مدینہ طیبہ کے اسلامی یونیورسٹی کے ممتاز استاذ تھے، علمی مآثر میں
قابل قدر تفسیر۔ اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن۔ اور دیگر وقیع کتابیں چھوڑیں۔ سلفی المشرب
تھے۔ علمی دنیا میں عظیم خدمات انجام دیں۔ اس طرح صوبہ سرحد کے کوٹہ تحصیل صوابی کے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب
جو قدیم علماء کا نمونہ تھے انتقال فرما گئے۔ کچھ اور حضرات شیخ محمد اشرف شاہد برادرزن اسلام آباد۔ الحاج ڈاکٹر
شیر بہادر قریشی پشاور، جناب الحاج بہرام خان جہانگیرہ۔ مولانا عبدالشکور دین پوری کے فرزند مولوی عبدالقدیر۔ مولانا محمد فرقان
ہزاروی اور ان جیسے دیگر کئی افراد کی جدائی دارالعلوم حقانیہ اور الحق کے تمام اراکین کیلئے موجب
صد افسوس ہے۔ حق تعالیٰ ان سب کو درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین۔

سمیع الحق

یادِ رفتگاں

ادارہ الحق

علامہ
مولانا عبدالحق نافع گلؒ

سابق استاذ دارالعلوم دیوبند

اس ماہ علمی دنیا کو علامہ یگانہ مولانا عبدالحق نافع گلؒ سابق استاذ دارالعلوم دیوبند کی وفات کا صدمہ پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا مرحوم کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

★

حضرت مولانا ۹ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ کو زیارت کا کا صاحب تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ مرحوم کا خاندان کاکاخیل اپنے علاقے کا ایک مشہور خاندان ہے۔ جسے لوگ تقدس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم کا نام والد نے عبدالحق اور والدہ نے نافع گل رکھا تھا۔ زیادہ شہرت دوسرے نام کی ہوئی، انہوں نے بڑے ہو کر دونوں ناموں کو ملا کر عبدالحق نافع گل بنا دیا۔

مرحوم کے والد ان دنوں زیادہ تر اپنی جائداد پر "درگئی" (ملاکنڈ ایجنسی) میں مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ والد مرحوم کا بچپن بھی زیادہ تر درگئی میں گذرا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور درگئی کے ایک عالم مولانا محمود سے حاصل کی۔ ان کے والد فارسی زبان میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ نیز علم طب اور مذہبی علوم سے بھی شناسا تھے۔ ان کی تعلیمی مہارت کا نتیجہ تھا کہ بچپن ہی میں مولانا مرحوم کو فارسی زبان کے نثر لکھنے میں کمال اور شعر گوئی کا بھی سلیقہ ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے تکمیل علم کیلئے دیوبند کا رخ کیا: ان کے بڑے بھائی اسیر مالٹا مولانا عزیر گل مدظلہ (تلمیذ خاص حضرت شیخ الہندؒ) پہلے ہی سے دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کی آغوشِ تربیت میں پہنچ چکے تھے۔

بڑے بھائی کے ساتھ شیخ کو جو بے پناہ محبت اور شفقت تھی، اسکی بناء پر چھوٹے بھائی کو بھی انہوں نے ابتداء سے اپنی تربیت میں لیکر از حد شفقتوں سے نوازا۔ مولانا مرحوم کی صفات و ملکات شیخ کو بہت ہی پسند تھے۔ ان کی غیرت، شجاعت اور حیا کے ملکات کو انہوں نے اپنی فراست سے

نگاہِ اولین میں معلوم کر لیا تھا۔ مولانا مرحوم کی جفاکشی اور سپاہیانہ انداز جو دونوں بھائیوں کو اپنے والد کی مخصوص تربیت سے نتیجہ میں ملا تھا۔ حضرت شیخ الہند کے لئے کشش کی چیز تھی۔ وہ پیار سے مولانا مرحوم کو سیف الملوک کے نام سے پکارتے تھے۔

حضرت شیخ الہند کو اپنے رفقاء کے ساتھ جب حجاز کا سفر اور اس کے بعد اسارتِ مالٹا کی ابتلاء پیش آئی، تو یہ عرصہ والد مرحوم کے لئے بھی سخت آزمائش کا ثابت ہوا۔۔۔ یہ سیاسی رقابتوں کا زمانہ تھا۔ حضرت شیخ الہند کی سیاست سے دارالعلوم کے بعض ذمہ داران کو اتفاق نہیں تھا۔ لیکن ان کی شخصیت کے احترام میں خاموش رہنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ کے رفقاء بھی کچھ لوگوں کی نگاہوں میں مخدوش ہوتے تھے۔ لیکن شیخ کے لحاظ کی بناء پر ان کا وجود برداشت کیا جاتا تھا۔ حضرت شیخ الہند نے اپنے اس سفر پر روانگی سے قبل مولانا مرحوم کو تنہائی میں بلا کر کچھ نصیحتیں کیں اور فرمایا کہ میرے بعد ہو سکتا ہے کہ آپ کو کچھ لوگوں کی طرف سے ابتلاء پیش آجائے۔ ایسے موقعہ پر مقابلے کا بالکل نہیں سوچنا بلکہ خاموشی کے ساتھ کسی دوسرے مدرسہ میں داخلہ لیکر اپنی تعلیم جاری رکھنا۔

مولانا مرحوم کو اپنا کوئی قصور معلوم نہیں تھا جس کی بناء پر ان کو اس قسم کے حالات سے واسطہ پڑ سکتا تھا۔ اس لئے ان کو شیخ کی بات پر کچھ تعجب بھی ہوا، لیکن اس مردِ مومن کی فراست بالکل صحیح تھی۔ جونہی آپ انکے آغوش سے کچھ عرصہ کیلئے جدا ہوئے تو حالات ان کے حق میں بالکل تبدیل ہو گئے۔ اور بالآخر انہیں ان سیاسی رقابتوں کا شکار ہو کر دارالعلوم کو خیر باد کہنا پڑا۔

اس کے بعد انہوں نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں داخلہ لینے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت شیخ الہند کی سیاست سے اختلاف رکھنے والے تمام مدارس کی طرف سے انکو یہ جواب ملتا تھا کہ حضرت مولانا عزیر گل جو حضرت شیخ الہند کی خدمت کیلئے سفر پر ساتھ ہی روانہ ہو گئے تھے کے بھائی ہونے کی وجہ سے آپ کے وجود سے ہم خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

بعض مدارس نے لاعلمی میں اگر داخلہ دیا بھی تو علم ہونے کے بعد پھر نکال دیا۔ مولانا مرحوم جن مدارس کا نام لیتے تھے، ازیں سہارنپور، بھوپال اور مینڈھو کے مدارس بھی تھے۔ بالآخر انہیں گلاوٹی اور مرادآباد کے مدارس میں تعلیم جاری رکھنے کا موقعہ ملا۔ مرادآباد میں علوم عقلیہ کی تحصیل انہوں نے اس وقت کے ایک مشہور ماہر فن عالم مولانا عبدالسلام قندھاری سے کی۔ نیز ان علوم کی تحصیل کے لئے انہوں نے علاقہ چکیسر کا سفر بھی کیا۔ اور وہاں کے نامور اساتذہ سے علوم حاصل کئے۔ طالب علمی کے اس عرصہ میں انہوں نے تحریک ہجرت میں شامل ہو کر کچھ عرصہ کیلئے اپنے مخلص دوست حکیم سید الابرار مردانی کے ساتھ کابل ہجرت ہو

رہی تھی ۔۔ حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی پر دوبارہ مولانا مرحوم کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ آسان ہوگیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد داخلہ لیکر۔

بقیہ علوم کی تکمیل انہوں نے دیوبند میں کی۔ دورۂ حدیث انہوں نے شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھا۔ علامہ کشمیری کے علاوہ دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور چھوٹی کتابوں میں مولانا ابراہیم بلیاوی اور مولانا اعزاز علیؒ سے بھی انہوں نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریس کی پھر دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مدرسی کیلئے دعوت آئی۔ جو انہوں نے بڑے بھائی کے حکم سے قبول کی۔ اور تقسیم ملک تک تقریباً پندرہ سال درجہ علیا کے مدرس رہے۔

مرحوم کی والہانہ عقیدت کا تعلق شیخ الہندؒ کے بعد ان کے جانشین برحق شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ اور سیاسی مسلک میں بھی انہی کے ہمنوا رہے۔ حضرت مدنیؒ کو بھی ان سے محبت تھی۔ مولانا مرحوم سفر وحضر میں حضرت مدنی کے رفیق رہتے تھے۔ سیاسی ہنگاموں کے دنوں میں مخالفین کیطرف سے گوناگوں اذیتیں برداشت کیں۔ مگر اپنے مقتداء اور محبوب شیخ کا ساتھ نہ چھوڑا

جب اس سیاسی مخالفت کا بازار گرم تھا۔ تو اس وقت کے ایک مشہور عالم دین (حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب) نے اپنے سیاسی موقف کو شرعی اور علمی ادلہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جسکے جواب میں "نفع المہتدی" کے نام سے مولانا مرحوم نے ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں ان کے ادلہ کے توڑ اور اپنے موقف کا علمی براہین کے ساتھ اثبات تھا۔ یہ رسالہ علمی حلقوں میں بہ سراہا گیا۔ مرحوم نے حضرت مدنیؒ کے زیر ہدایت　ا ۔ یو۔ فقیر مرحوم کی تحریک آزادی میں بھی کام کیا۔ اور مال کی فراہمی میں دوڑ دھوپ اور اپنا اثر رسوخ خوب استعمال کیا تھا۔

تقسیم ملک کے بعد مرحوم نے اپنے گھر پر قیام کا فیصلہ کرلیا۔ دیوبند کا ماحول اور حضرت مدنیؒ کی رفاقت چھوٹنے کے بعد کسی اور جگہ کام کرنے کیلئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ملک میں نو پید قائم شدہ مختلف مدارس کی طرف سے باصرار دعوتیں آئیں، لیکن انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کی، لیکن باوجود اس کے ۱۹۵۰ء میں وہ حضرت مدنیؒ کے ارشاد پر کراچی کے مولانا صادق مرحوم کے مدرسہ مظہر العلوم میں جو حضرت مدنیؒ کے رفقاء میں سے تھے، صدر مدرس پر ایک سال کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دورۂ حدیث کا افتتاح کیا۔

۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء میں وہ مدرسہ اسلامیہ چارسدہ میں شیخ الحدیث رہے۔ یہ مدرسی انہوں

نے اپنے شاگرد میاں محمد شفیق صاحب جو اس مدرسہ کے مہتمم تھے کے شدید اصرار سے مجبور ہو کر قبول کی تھی۔ انہوں نے اپنے دار العلوم کی کامیابی کے لئے مولانا مرحوم کو مجبور کیا تھا۔ مرحوم نے دو سال تک یہ خدمت تبرعاً انجام دی۔ نہ صرف یہ کہ مدرسہ سے تنخواہ نہیں لی بلکہ اپنے تمام اخراجات بھی خود برداشت کرتے رہے۔

۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۶ء میں وہ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث رہے یہ مدرسی انہوں نے اپنے عزیز اور مخلص دیرینہ دوست حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کی خواہش سے مجبور ہو کر قبول کی تھی۔ لیکن دو سال کے بعد انہوں نے اپنی عمر کے پیش نظر مزید استفادہ سے معذوری ظاہر کر دی۔

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے مستقل طور پر اپنے آبائی قصبہ زیارت کا کا صاحب میں قیام اختیار کیا۔ یہ وقت زیادہ تر مطالعہ میں گزرتا تھا۔ اور تلامذہ کے ساتھ جو ملاقات کیلئے آتے رہتے تھے، علمی گفتگو ہوتی تھی۔

مرحوم نے مولانا مودودی کے مسلک پر تبصرہ کے طور پر ایک کتاب ایضاح فتاویٰ کے نام سے تالیف کی ہے۔ یہ کتاب علمی حلقوں میں مقبول ہوئی ہے۔

مرحوم گذشتہ تین سال سے علیل تھے۔ مختصر وقفے کے ساتھ تین سال تک مسلسل بخار آتا رہا۔ نیز قلب اور جگر کی بیماری بھی تھی، دو بار ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ لیکن بیماریوں کی پوری تشخیص سے ڈاکٹر عاجز رہ گئے۔ علالت کے ایام میں انہوں نے اپنی سہولت کے پیش نظر میانگانو کلے (سخاکوٹ) کے قیام کو ترجیح دی۔ اولاد یہاں پر پہلے سے مقیم تھی اس لئے خدمت اور علاج کی سہولت یہاں زیادہ تھی۔ چنانچہ ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۷۴ء کو اسی گاؤں میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دوسرے روز نماز جنازہ پڑھائی گئی اور گاؤں کے عام قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اطلاع کا اہتمام مرحوم کے ذوق کو ملحوظ رکھ کر نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی علاقے کے علماء صالحین اور رؤساء عام مسلمان بڑی تعداد میں جنازہ میں شریک ہوئے۔ تدفین کے فرائض نہایت سادگی اور شرعی طریقے کے مطابق انجام دئے گئے۔ ہر قسم کی رسومات کو ترک کر کے ایصال ثواب کیلئے مناسب طریقے اختیار کئے گئے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک نے اس موقعہ پر مختصر تقریر میں رسومات کے ترک کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور حضرت مرحوم کے علمی مقام کو پورے علمی طبقہ کی طرف سے خراج تحسین پیش کیا۔

(ع - ا - ک)

فلم ڈان آف اسلام کی نمائش ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے

قومی اسمبلی میں فلم کی نمائش پر شیخ الحدیث کی عسد اسنے احتجاج

★

قومی اسمبلی میں فلموں کے بارہ میں قرارداد پر تقریر کے دوران آپ نے ڈان آف اسلام کی نمائش پر شدید احتجاج کیا جسے تمام اخبارات اور ایجنسیوں نے قطعاً حذف کر دیا۔ اب ہمیں اسمبلی کی سرکاری رپورٹ سے جتنا حصہ مل سکا اسے یہاں شائع کر رہے ہیں۔ "ادارہ"

محترم سپیکر صاحب! کراچی اور دوسرے شہروں میں دکھائی جانے والی فلم — ڈان آف اسلام — کے بارہ میں آپ سے کیا عرض کروں۔ کیا یہ غیرت اسلامی ہے، اور کیا حمیت اسلامی ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے ساتھ محبت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان کو خیالی تصویروں میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس فلم میں وہ ایکٹر اور ایکٹریس جو شراب زنا جوا بازی جیسی باتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ معاذ اللہ وہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کی شکل میں پیش ہوں گے۔

ہمیں تو مر جانا چاہیے کہ ہمارے ملک میں ہمارے اقتدار میں وہ چیزیں ہو رہی ہیں جو انگریز کے دور میں بھی نہ ہو سکی تھیں۔ انگریز کے زمانہ میں حج کی فلم پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا تو اسی ملک میں بہت سے نوجوان سر بکف ہو کر میدان میں اترے کہ اس طرح ہمارے حرم مقدس اور ہماری عبادت کی توہین ہو گی۔ دوسری طرف سے یہاں کہا جائے گا کہ اس فلم میں کسی تصویر کی نشان دہی نہیں کی گئی۔ لیکن جب غار حراء میں نازل ہونے والی وحی کا منظر بتایا جائے گا۔ اور ایک شخص کو گرم ریت پر لٹا کر اس کے سینے پر پتھر رکھ کر طرح طرح کی اذیتیں دی جائیں گی۔ اور وہ احد احد پکارے گا۔ تو آپ نام نہ لیں۔ تب بھی ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ حضرت بلالؓ کی تصویر بنائی گئی ہے۔ ایک شخص تلوار نکال کر حضورؐ کو شہید کرنے کی نیت سے جا رہا ہے اور واپس پہنچ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو ہر ایک جانتا ہے۔ کہ وہ حضرت عمرؓ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ عہد سعادت کی باتیں ہیں، ظہور اسلام کی چیزیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں۔

میں آپ سے عرض کروں گا کہ ہمارے اخلاق کو ہمارے معاشرے کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ ہماری

غیرت وحمیت کو بھی اور صحابہؓ کے تقدس کو بھی جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اس طرح فلموں کے ذریعہ ختم کیا جارہا ہے۔ اس فلم کے دوران فحش عریاں تصاویر اور مناظر دکھائے جارہے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کی نمائش ہورہی ہے۔ ادھر ننگی عورتوں کے کلب ہیں۔ ادھر صحابہؓ کو عبادت کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ اسلام کی تبلیغ ہے کہ ایک شخص بول وبراز کے ڈھیر اور گوبر پر کھڑا ہو کر نماز کی نیت باندھ کر کہے کہ میں تو نماز پڑھتا ہوں، مجھے خطرہ ہے کہ اب آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور حالات کو خیالی اور فرضی طریقے سے یہ لوگ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ اگر حضورؐ کسی کو خواب میں بھی نظر آئیں تو وہ خواب صحیح ہے۔ اس لئے کہ شیطان جو بڑی طاقت والا تھا لیکن اسکی خباثت وشیطنت سے بچانے کیلئے شیطان کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی کہ خواب میں بھی حضور اقدسؐ کی شکل اختیار کر سکے۔ آج ہم ایکٹر اور ایک شرابی سے ایسے حضرات کی شبیہ بنوائیں اور میں یہ کہوں گا کہ بات یہاں ختم نہ ہوگی کل کہیں گے کہ اسلام کی تبلیغ کیلئے خدا اور جبرئیل کی بھی فلم بنائی جائیگی۔ کہ ایک خدا ہے اور جبرئیل ومیکائیل ہوں گے اور قیامت کا منظر پیش کیا جائیگا۔ یہ ہمارے ملک میں ہمارے دین کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔

—— الحمد للہ کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم سے مسلمانوں کی توقعات ہیں کہ ہم ان کے اندر اچھائی پیدا کریں گے۔ ان کے اخلاق کو بہتر بنائیں گے۔ اگر ایسا نہ کریں اور ایسی برائیوں پر بھی پابندی نہ لگائی تو یہ ملک ... عذاب میں مبتلا ہو جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں میں شامل ہو جائیگا۔ اور اب بھی مبتلا ہو چکا ہے۔ اس کا تدارک اس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ ہم نادم ہو جائیں اور حکومت سے آپ سب اپیل کریں کہ وہ اس فلم کو مکمل بند کر دیں۔ میرے پاس ایک اخبار ہے، ایک فلمی اشتہار میں ایک تصویر بالکل ننگی ہے۔ میں نے ایوب یا یحییٰ کے دور میں ایک بڑے اخبار کے خزانچی کو جو بڑا دیندار ہے کہا کہ خدا سے ڈرو۔ یہ تصویریں گھروں میں جاتی ہیں۔ جہاں بچیاں بھی اسے دیکھتی ہیں۔ اسے بند کرو۔ اس نے کہا کہ اخبار کا مالک بڑا متقی اور حاجی ہے۔ بیٹے اور بیوی کو بھی حج کرایا ہے۔ میں نے کہا عجب تقویٰ ہے انہوں نے کہا آپ کو کیا معلوم نہیں راتوں رات کا غذات ملتے ہیں کہ اسے چھاپنا ہوگا۔ ہم مجبور ہیں —— بہر حال اسلام کی تبلیغ بھی اس کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ قرآن مجید کو پھیلانے کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اسے طبلہ اور سارنگی کیساتھ پڑھائیں یا ناچتے گاتے۔ اسے پڑھا جائے۔ کہ ویسے اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ عصمتوں کو داؤ پر لگا دو۔ اور تبلیغ کرو۔ اسلام اس تبلیغ کو جائز نہیں سمجھتا۔ تو ایسی فلموں کے ذریعہ ہمارے اسلام، ایمان اور غیرت وحمیت پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے۔ (نامکمل)

خدا کے بندو مجھے خطرہ ہے کہ یہ ملک ایک اور فلسطین نہ بن جائے۔ (مولانا عبدالحق)

کشمکش حق و باطل

جناب شفیق فاروقی

قومی اسمبلی

میں

غیر اسلامی نظریات، فحش لٹریچر اور عریاں فلموں کے بارہ میں

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی قراردادیں

ـــــــــ تفصیلی رپورٹ ـــــــــ

قومی اسمبلی کے موجودہ سیشن میں اب تک شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی دو اہم قراردادیں زیر بحث آچکی ہیں۔ ان قراردادوں کا بنیادی مقصد ملک میں اخلاقی خرابی پیدا کرنے والے اسباب کا انسداد اور لادینی نظریات کا سدباب تھا۔ تائید اور مخالفت کے دونوں نقطۂ نظر بحث کے دوران ایوان کے سامنے آئے۔ گو پلڑا اکثریت کے بل بوتے پر حزب اقتدار ہی کا غالب رہا، ہر دو قراردادیں مسترد ہوئیں ـــ مگر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے علماء حق کیطرف سے فریضہ کلمۂ حق کی ادائیگی کی بھرپور نمائندگی کی۔

۱۷ جنوری ۷۴ء جمعرات اور غیر سرکاری کارروائی کا دن تھا۔ اسے قدرت کی خاص توفیق کہئے یا حسن اتفاق کہ اب تک ایسا کوئی دن شیخ الحدیث مدظلہ کی کسی نہ کسی قرارداد سے خالی نہیں گیا۔ اور ایجنڈا کی ترتیب کیلئے ہونے والی قرعہ اندازی میں مولانا کی کئی قراردادیں سرفہرست تھیں۔ پہلی قرارداد میں عریاں اور فحش فلموں پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔ مولانا ایسی تمام فلموں کے سدباب کیلئے نیا ضابطہ بنانے پر زور دے رہے تھے، جو ملک میں اخلاقی اور جنسی بے راہروی اور معاشرہ کی خرابی کا ذریعہ بنتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے فواحش کی اشاعت کے نتیجہ میں ہونے والی بربادی اور قدرت کی سنگین گرفت کا ذکر کر رہے تھے اور ملک کی حالت کا رونا رو رہے تھے۔ اور یہ کہ یہ سب کچھ وہ بحیثیت مسلمان کے اپنے مسلمان بھائیوں سے کہہ رہے ہیں۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ اسلامی ملکی قومی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان بھر میں تمام قحبہ خانوں، رقص گاہوں، فحش فلموں اور فحاشی پھیلانے والی کلبوں اور قمار خانوں نیز شراب نوشی پر پابندی عائد کی جائے ـــــ حزب اختلاف کے ارکان راؤ خورشید علی

پروفیسر غفور احمد، مولانا ازہری، جناب احمد رضا قصوری، مولانا سید محمد علی، صاحبزادہ صفی اللہ اور دیگر حضرات نے قرارداد کے حق میں پرزور تقریریں کیں۔ جناب پیرزادہ صاحب وزیر تعلیم نے اصل قرارداد کا سارا رخ صرف عریاں فلموں کی طرف موڑتے ہوئے جوابی تقریر میں کہا کہ حکومت نئی فلم پالیسی کو آخری شکل دے رہی ہے۔ جو زیادہ تر ترقی پسندانہ (؟) ہوگی۔ اور اس میں عریانیت کی حوصلہ شکنی (؟) کی جائے گی۔ پیرزادہ صاحب نے کہا کہ نئی فلم پالیسی کا اور ترمیمی آرڈیننس کا اعلان پندرہ دن کے اندر کر دیا جائے گا۔ (یہ ۱۷ر جنوری کی بات ہے جبکہ آج ۷ر فروری تک ایسا کوئی اعلان سامنے نہیں آیا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ مولانا عبدالحق کی اس قرارداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ موجودہ ضابطوں کے تحت عریاں فلموں پر پہلے ہی پابندی عائد ہے۔

پیپلز پارٹی کے ملک محمد جعفر نے بھی قرارداد کی مخالفت کی اور کہا کہ سینما ایکٹ کی دفعات پہلے ہی انتہائی سخت ہیں۔ اس لئے انہیں مزید سخت بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بحث کے بعد سپیکر نے اجلاس دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دیا۔

۲۴ر جنوری کو اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی نظریۂ پاکستان کے منافی اور فحش لٹریچر پر پابندی کی قرارداد زیر بحث آئی۔ مولانا عبدالحق کی قرارداد میں کہا گیا تھا:

"پاکستان بھر میں ایسے لٹریچر کی طباعت و اشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے جس سے مسلمانوں کے اخلاق اور عقائد اور نظریۂ پاکستان متاثر ہو سکتے ہوں۔ نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔"

قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق مدظلہ نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

"پاکستان کا قیام اسلامی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ اس لئے ایسے لٹریچر پر پابندی عائد ہونی چاہئے۔ جو ان نظریات پر کسی بھی طرح اثر انداز ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایک نظریاتی مملکت میں کسی کو بھی نظریات کی مخالفت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے اور جو بھی ان نظریات کی مخالف کارروائیوں میں ملوث پایا جائے۔ اسے غدار قرار دیا جائے۔ مولانا عبدالحق نے کہا کہ دینی نظریات کا دفاع بھی مسلمانان پاکستان کی اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی سرحدوں کا دفاع اس سلسلہ میں خاص طور پر انہوں نے عیسائی مشنریوں کے تقسیم کردہ لٹریچر اور اس کے فروغ کا ذکر کیا۔ جو سرکاری حکام تک کو بھیجا جا رہا ہے۔ اسی طرح رسول خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر یقین نہ رکھنے والے قادیانیوں کو بھی اپنا لٹریچر تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔ ایک اسلامی جمہوریہ میں اسلام کے خلاف لٹریچر پر

اس طرح پابندی ہونی چاہیے جسطرح کمیونسٹ ملکوں میں سرمایہ دارانہ لٹریچر اور سرمایہ دارانہ نظام میں کمیونزم کی لٹریچر پر پابندی ہے۔ مولانا نے ایوان پر زور دیا کہ وہ متفقہ طور پر اس قرارداد کی حمایت کرے تاکہ خدا کی رحمت شامل حال ہو اور یہ بات بھی ثابت ہو سکے کہ ایوان کا کوئی بھی رکن ملک دشمن سرگرمیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔" (مشرق کراچی، اعلان کراچی ۲۶ جنوری کے دیگر اخبارات)

قرارداد پر بحث شروع کرتے ہوئے وفاقی وزیر محکمہ جناب خورشید حسن میر نے سختی سے مخالفت کی یہاں تک کہ انہوں نے مولانا کے اخلاص اور نیت پر حملہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اکثر و بیشتر اس قسم کی قراردادیں پیش کرتے رہتے ہیں جن کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور کچھ نہیں ہوتا کہ ثابت کیا جا سکے کہ صرف اپوزیشن ہی ان باتوں سے آگاہ ہے اور حکومت ان کی روک تھام کیلئے کچھ نہیں کر رہی۔ انہوں نے کہا کہ فحش لٹریچر کے بارہ میں پہلے ہی ایک قانون موجود ہے۔ (سرکاری ارکان میں سے) مسز نرگس نعیم، سید عباس حسین گردیزی، مسٹر حاکم علی زرداری ملک محمد جعفر نے قرارداد کی مخالفت میں تقریریں کیں۔ اور کچھ نے اس بات سے اتفاق بھی کیا کہ ایسے لٹریچر کی پاکستان میں روک تھام ضروری ہے۔ آزاد رکن جناب نور محمد خان نے کہا کہ ملک کے نظریاتی دفاع کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ مولانا محمد علی رضوی نے کہا کہ قابل اعتراض لٹریچر کی چھان بین کیلئے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کے مولانا صدر الشہید نے کہا کہ یہ قرارداد آئین کے عین مطابق ہے اور تمام ارکان کو اسکی حمایت کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر خورشید علی خان نے کہا اگر فحش لٹریچر پر پابندی کے قوانین موجود ہیں۔ اور انہیں خلوص سے نافذ نہیں کیا جا رہا تو یہ حکومت کی غلطی ہے۔ پھر ایسے قوانین کا کیا مصرف رہ جاتا ہے۔ ابھی اور کئی ارکان اس اہم بنیادی مسئلہ سے متعلق قرارداد پر اظہار خیال کرنا چاہتے تھے۔ اور وقت کم تھا۔ اس لئے سپیکر صاحب نے مزید بحث کو آئندہ جمعرات پر ملتوی کرتے ہوئے اجلاس ختم کر دیا۔

۳۱ جنوری جمعرات کو زیر بحث آنے والی اس قرارداد پر دوبارہ بحث شروع ہوئی اور گرما گرم تقریریں ہوئیں۔ آخر میں وزیر داخلہ نے سرکاری موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے قرارداد کی سختی سے مخالفت کی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق محرک قرارداد نے رائے شماری سے قبل اپنی جوابی اختتامی تقریر میں نہایت درد و سوز سے قرارداد پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر غیر مسلم اور مسلمانوں کے عقائد کے منافی اور فحش لٹریچر پر پابندی نہ لگائی گئی تو مجھے خطرہ ہے کہ یہ ملک ایک اور فلسطین بن جائے گا۔

قرارداد کی حمایت کرنے والے اپوزیشن کے ارکان نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار

کہا کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں بے حیائی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کے رہنما حضرت مولانا مفتی محمود نے کہا کہ اگر اس ملک میں اس قسم کا کوئی قانون موجود بھی ہے تو اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں الفاظ کے گورکھ دھندوں میں لوگوں کو پھنسایا جا رہا ہے۔ یہاں اسلام ہے لیکن عمل نہیں سوشلزم کی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر عمل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی طرف سے محش لٹریچر کی قانوناً ممانعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ سینماؤں کے باہر آویزاں تصاویر سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ بے حیائی کو کس طرح پھیلایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب تو ماچس کی ڈبیوں پر بھی عورتوں کی عریاں تصویریں چھپ رہی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کلمہ طیبہ چھپا ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے جذبات کی دو طرفہ توہین جان بوجھ کر ہو رہی ہے۔ مگر حکومت خاموش رہتی ہے۔ انہوں نے کہا آئین کے رہنما اصولوں پر عمل کبھی نہیں ہوا۔

مفتی محمود نے کہا یہ اختلافی مسئلہ نہیں پارٹی کی سیاست سے بالاتر ہے کہ اس قرارداد کو منظور کیا جائے۔ انہوں نے وزیر داخلہ سے کہا کہ اگر ایسے قوانین ہیں تو اس پر عمل کرائیں۔ صاحبزادہ صفی اللہ نے حمایت کرتے ہوئے کہا کہ بعض عناصر خصوصاً مشرقی پاکستان میں ہمارے نظریاتی اساس کو ختم کرنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہے جس کا حشر سب نے دیکھ لیا۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے بھی مولانا عبدالحق کی قرارداد پر تقریر کی اور کہا کہ ملک میں ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ بے حیائی بڑھ رہی ہے مگر یہ کام صرف وزیراعظم کا نہیں کہ ایک ایک کے پیچھے پھرے۔ تمام وزراء تمام ارکان تمام ذمہ دار لوگ ملک کے کیریکٹر درست کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔ میں مولانا عبدالحق کی قرارداد کی اس وجہ سے حمایت کرتا ہوں، کہ اس میں عقائد کا بھی ذکر ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے مودودی عقائد اور لٹریچر پر پابندی کا مطالبہ کیا اور پرویزی و احمدی لٹریچر کا بھی۔ جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کے ارکان اور مولانا ہزاروی کے درمیان سخت نوک جھونک ہوئی۔ مسٹر احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت کی سرکاری بنچوں سے چوہدری جہانگیر علی اور ڈاکٹر محمود عباس بخاری اور گجرات کے حکیم سردار علی وغیرہ نے مخالفت میں تقریریں کیں اور کہا کہ ایسے قوانین پہلے سے موجود ہیں۔ اور یہ کہ دوسرے مذاہب کے لٹریچر پر پابندی ایک منفی عمل ہوگا۔

حکومت کی ترجمانی کرنے والوں میں آخری تقریر مرکزی وزیر داخلہ عبدالقیوم خان صاحب کی تھی انہوں نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکومت قابل اعتراض کتابچوں اور رسالوں پر پابندی لگا چکی ہے۔ اور ایسے قوانین پر پوری طرح عمل کیا جاتا ہے۔ وزیر داخلہ نے بھی اپنے پیش رو ایک وزیر

خورشید حسن میر کا انداز اختیار کرتے ہوئے۔ مولانا عبدالحق کی نیت پر حملہ کیا اور کہا کہ اگر محرک قرارداد یہ چاہتے ہیں کہ صرف حزب اختلاف ہی اسلام کی محافظ ہے۔ تو وہ اس قرارداد کی شدید مخالفت کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ غیر مسلم اقلیتوں کو ان کے مذہبی پرچار سے روکنا ایک منفی انداز ہے اور غیر مسلموں کے لٹریچر پر پابندی سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔ اس طرح وہ مخالفانہ نقطۂ نظر سے بے خبر رہیں گے۔ انہوں نے کہا اس طرح کرنا آئین کی بھی خلاف ورزی ہوگی جس میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں درآمدی پالیسی کا بھی ذکر کیا جس میں فحش اور قابل اعتراض لٹریچر کی درآمد پر پابندی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں اتنی قوت ہے کہ اس نے صدیوں سے اپنے خلاف پروپیگنڈہ برداشت کیا ہے۔ اسلام نے سختی سے نہیں محبت سے ترقی کی ہے۔

جناب وزیر داخلہ کی تقریر کے بعد محرک قرارداد مولانا عبدالحق صاحب کی جوابی تقریر تھی۔ مولانا نے کہا:

"یہ ملک ہم نے بے مثال قربانیوں سے حاصل کیا ہے میرا مقصد یہ ہے کہ جس نظریہ کے تحت حاصل ہوا ہے اسے چھوڑ کر ساری قربانیاں ضائع نہ جائیں وہ لٹریچر جو اسلام کے خلاف ہے اس سے ایک ایک برس میں کتنے مسلمان پاکستانی عیسائیت اور دوسرے مذاہب کی گود میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے عیسائی مشنریوں کے حوالے دیکر کہا کہ پاکستان کی زمین ساری دنیا سے ان کے لئے زرخیز ثابت ہوئی ہے۔ مولانا عبدالحق نے زور دے کر کہا کہ خدا کے بندو مجھے خطرہ ہے کہ ہمارا ملک ایک اور فلسطین نہ بن جائے۔ اور کہیں دوسرے کافرانہ مذاہب کا اڈہ نہ بن جائے۔ انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ میرا ارادہ حکومت کو بدنام کرنا یا اپنے آپ کو نیک نام کرنا ہو۔ میں اپنی حکومت کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں بدنام کرنے کے لئے یہ سب کچھ کروں۔ بلکہ یہ تو ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ کہ منکرات کے خلاف آواز اٹھائے حضورؐ کا ارشاد ہے:

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ والا فبلسانہ والا فبقلبہ ۔	اگر کوئی تم سے برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اسکی مذمت کرے یہ کرنے سے بھی مجبور ہو تو دل سے تو برا جانے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

اب چونکہ حکومت کے پاس اقتدار ہے، قوت ہے اسے چاہئے کہ برائیوں کے خلاف قوت استعمال کرے علماء تو اسلامی عقائد کی حفاظت اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کا جواب دینے کیلئے اپنا پلیٹ فارم استعمال کرتے رہیں گے۔ لیکن ایک اسلامی ملک کو اس مقصد کے حصول کیلئے سرکاری نظام کو بھی استعمال

ہیں نافذ ہونا چاہیئے ۔

ہمارے وزیر داخلہ صاحب قانونی ممانعتوں کا بار بار ذکر کر رہے ہیں ۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ دوسرے مذاہب کا دل آزار لٹریچر پھیلایا جارہا ہے ۔ تو ہمیں بتایا جائے کہ اگر قوانین ہیں تو کتنوں پر مقدمہ چلایا گیا ، کتنوں کو جیل میں ڈالا گیا ۔ جب ایک آرڈیننس نافذ ہوتا ہے تو راتوں رات اسکی تعمیل کی جاتی ہے ۔ سی آئی ڈی تلاش کرنے لگتی ہے ۔ جیلوں کو بھر دیا جاتا ہے ۔ مگر ہمارے عقائد اور نظریہ پاکستان کے بگاڑنے والوں میں سے کتنے لوگ پکڑے گئے ۔ ؟ کتنوں کو سزا دی گئی مولانا نے کہا ہم اقلیتوں پر یہ پابندی ہرگز نہیں لگانا چاہتے کہ اپنے مذاہب کی پیروی نہ کریں ۔ یہ بات تو آئین کی خلاف ورزی ہوگی ۔ بیشک وہ اپنی عبادت گاہوں میں جائیں مگر اتنی آزادی بھی نہیں کہ مسلمانوں کے اندر جاکر کفر و الحاد پھیلانے کی سعی کریں اور اسلام کی توہین کے درپے ہوں اور ہمارے ملک کے سادہ لوح مسلمان مختلف غیر اخلاقی ہتھکنڈوں اور معاشی مجبوریوں کی وجہ سے اپنا مذہب بدل دیں ۔ یہاں اعتراض کیا گیا اور کہا گیا کہ اسلام اتنا کمزور نہیں نہ مسلمان اتنا کمزور ہے تو پھر اسلام کے ہوتے ہوئے آئے دن چوری اور ڈاکہ زنی کیوں ہو رہی ہے ۔ اور پھر آپ نے ایسے لوگوں کے لئے سزائیں کیوں تجویز کی ہیں ۔

انہوں نے کہا کہ ایسی باتوں کو صرف رہنما اصولوں میں رکھنا محض وعظ و نصیحت ہے ، اسے آئین کی لازمی دفعات میں شامل کر دیا جائے ۔ اور جب آئین کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا ۔ تو ایسی باتیں ہرگز برداشت نہیں کرنی چاہیئے ۔ مولانا عبدالحق نے اس پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ ہمارے وزراء اس اہم دفعہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے اور کھلے بندوں مخالفت کر رہے ہیں ۔ اس لئے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ ہماری معیشت سوشلزم ہوگا ۔ اس پر اعتراض ہوا تو اس لفظ کو بدل دیا گیا ۔ اور یہ طے ہوگیا کہ صرف اسلام ہی مذہب ہوگا ۔ اور معیشت کی بنیاد بھی ۔ مگر کئی وزراء سوشلزم کا پرچار کر رہے ہیں ۔ آئین کے حلف اٹھانے کے بعد اسکی سر عام مخالفت ہوتی رہتی ہے ۔ بہرحال اگر سرکاری مذہب اسلام ہے تو اسلام کے منافی چیزیں صرف ممنوع نہیں بلکہ اس پر سخت گرفت ہونی چاہیئے ۔"

مولانا مدظلہ کی تقریر کے بعد سپیکر صاحب نے ایوان سے قرارداد پر رائے شماری کرائی اور حکومتی پارٹی کی اکثریت کی بناء پر قرارداد مسترد ہوگئی ۔ مگر مجھے اسمبلی ہال کے در و دیوار سے ابھی تک مولانا عبدالحق کی یہ دردناک صدا ٹکراتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی کہ :

" خدا کے بندو ! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ ملک ایک
اور فلسطین نہ بن جائے ۔ "

حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی صدیقی

وقت کی اہم ترین ضرورت

قومی ذہن نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی سیاست ستر فیصد شیعی بیس۲۰ فیصد قادیانی اور دس فیصد سیکولر رہی ......

ڈھاکہ کا سقوط، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، خون مسلم کی ارزانی، دین کی بربادی، شعائر دین کی پامالی، اور کفر و ضلال کی طغیانی، یہ وہ واقعات ہیں جنہوں نے ہر حساس مسلمان کے قلب کو سراپا ناسور بنا دیا ہے۔ جو مرتے دم تک مندمل نہیں ہو سکتا۔ اس غم و اندوہ سے صرف احساس سے محروم افراد ان سنگدلان کے دل خالی ہیں، جنہوں نے غداری کر کے پاکستان کو یہ روز بد دکھایا۔ اور جو اسکی تباہی سے جنکی مراد بر آئی۔ لیکن اس احساس کے باوجود کیا ہم نے کوئی قدم اس نقصان عظیم کی تلافی کے لئے اٹھائی یا اپنے طرز عمل پر محاسبانہ اور ناقدانہ نظر کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خود ہم سے تو کوئی ایسی غلطی نہیں سرزد ہوئی جسکی سزا ہمیں مل رہی ہے -؟ افسوس اور حیرت کے ساتھ دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دینا پڑتا ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے اس حادثہ فاجعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سے الحق میں زعماء ملت کو متوجہ کیا تھا کہ ہماری شدید غلطی یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک اپنے کسی "قومی ذہن" کی تعمیر نہیں کی۔ ہمارے سیاسی اقدامات کی فکری بنیاد انفرادی ذہن یا زیادہ سے زیادہ جماعتی ذہن پر قائم ہوتی ہے۔ نہ ہمارا کوئی قومی ذہن ہے نہ اسکی تعمیر کی طرف ہماری کوئی توجہ۔ ہم غداروں، منافقوں، دوست نما دشمنوں کے فریب میں بار بار صرف اس لئے مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمارا کوئی قومی ذہن نہیں جسکی ذکاوت و فطانت کا رعب غداروں کو غدر کرنے سے روک دے۔ اور اگر کوئی بے حیا اسکی جرأت کرے تو فوراً قوم کو اس سے آگاہ اور اس کے فریب سے ہوشیار کر دے۔

——— ہمارے قومی ذہن کو دینی ہونا لازم ہے۔ کیونکہ ہماری حقیقی قومیت کی بنیاد دین ہے نہ کہ نسل یا وغیرہ۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی ہمارے اندر قومی ذہن ہی کا تصور مفقود ہے۔ دینی یا غیر دینی ہونے

کا مسئلہ تو اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

قومی ذہن کی ایک مثال | میں نے انگلستان کو بطور مثال پیش کیا تھا۔ اس کا ایک قومی ذہن ہے۔ اور ہر انگریز اپنے اجتماعی مسائل کو اسی ذہن سے سوچتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ وزارتیں بدلتی رہتی ہیں۔ پارٹیاں بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ مگر برطانیہ کی پالیسی کے اصول کبھی نہیں بدلتے۔ چرچل گیا ایٹلی آیا۔ مگر وزارت عظمیٰ کے عہدے پر پہنچ کر دونوں نے ایک ہی ذہن سے سوچا۔ اور دونوں کی پالیسی اصولی اعتبار سے یکساں رہی امریکہ روس وغیرہ جملہ قومی ممالک و اقوام کو آپ ایسا ہی پائیں گے۔ ان میں سے کوئی قوم بھی قومی ذہن سے محروم نہیں، خواہ وہ ذہن ہمارے نقطۂ نظر سے اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن عالم اسلامی عموماً اور پاکستان خصوصاً اجتماعی زندگی کے اس اہم اور ضروری عنصر سے محروم ہے۔ ہمارے زوال و انحطاط اور ہماری تباہی و بربادی میں اس محرومی کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ جب تک قومی ذہن کا وجود نہیں ہوتا، اس وقت تک افراد قوم صحیح معنی میں اجتماع کی منزل پر نہیں پہنچتے۔ امت کا شیرازہ پراگندہ ہی رہتا ہے۔ بظاہر جو اجتماعیت نظر آتی ہے۔ وہ بہت کمزور ہوتی ہے، جسے معمولی سا صدمہ منتشر کر دیتا ہے۔ ہماری کیفیت یہی ہے اور یہی رہے گی جب تک ہمارا قومی ذہن وجود میں نہ آجائے جس کی نوعیت خالص دینی ہو۔ اور جس کی تعمیر خالصۃً لوجہ اللہ صرف دین حق کی نصرت کے لئے کی گئی ہو۔ ہماری اجتماعی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ اس وقت ایک خالص دینی قومی ذہن کی تعمیر ہے۔

ہماری سیاسی ناکامیاں اور اس کا سبب | داستان کا سرا تو بہت دور ہے۔ طوالت سے بچنے کیلئے بہتر ہے کہ ہم بقدر ضرورت پر اکتفا کریں۔ اور اپنے سیاسی حالات کا مختصر جائزہ لینے کے لئے صرف ماضی قریب پر نظر ڈالیں۔ داستان پاکستان مطالبہ پاکستان سے شروع ہوتی ہے۔ کیا ہمارا یہ مطالبہ پورا ہُوا؟ اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔؟ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے نام سے جو خطہ ہمیں ملا اسے خواہ سطحی نگاہیں کامیابی ہی کیوں نہ قرار دیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ ہماری ناکامی کی بہت عبرتناک مثال ہے۔

——— یہ کٹا پھٹا پاکستان جس میں پنجاب اور بنگال کو کاٹ کر لاکھوں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ مطالبہ کے وقت قوم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔ بلکہ قوم صرف یہ چاہتی تھی کہ برصغیر کے دو ایسے خطے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ آزاد مسلم اسٹیٹ کی صورت میں تبدیل کرائے جائیں۔ پاکستان کا یہی تصور جملہ اہل ملت کے ذہنوں میں تھا، اگر ایسا ہو جاتا تو نہ خون مسلم کی یہ ارزانی ہوتی، نہ لاکھوں مسلمان خانہ برباد ہوتے، نہ ترک وطن کی کوئی ضرورت پیش آتی۔ اور نہ آج پاکستان زخم کاری کھا کر اپنے آدھے دھڑ سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوتا۔ ہمارا تصور کیا تھا؟ اور ہمیں کیا ملا۔؟ اس پر غور کیجئے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی، کہ ہمیں سخت ناکامی

ہوئی - اور ہم اپنے اصل مقصد کو نہ حاصل کر سکے۔

______ حصول پاکستان کا مقصد ہمارے دیندار طبقہ نے یہ بیان کیا تھا کہ اس خطۂ ارضی میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کیا جائے گا۔ اس مقصد میں تو اس بری طرح ناکامی ہوئی کہ قوم کے ذہن میں یہ تصور بھی دھندلا ہو گیا۔ سنجیدہ اور پڑھے لکھے عوام کی بڑی تعداد اس کے حصول سے مایوس اور خواص کا بھی ایک معتد بہ گروہ برداشتہ خاطر ہو چکا ہے۔

______ اسلامی نظام کا نعرہ لگانے والے قائدین سے میں پوچھتا ہوں کہ پیچھے مڑ کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ ۲۵ سال کی مدّت میں آپ اسلامی نظام کی منزل سے قریب ہوتے ہیں یا دور۔ ؟ واضح بات ہے کہ آج سے ۲۵ سال پہلے "اسلامی نظام" کے قائم ہونے کے جتنے امکانات تھے، اب اس سے چوتھائی امکانات بھی بمشکل باقی ہیں۔ نعرے کا دائرہ جسقدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر اس کے وجود کے امکان کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ آج تو شاید ہر سیاسی جماعت "اسلامی نظام" کا نعرہ لگا رہی ہے۔ مگر اس کے قیام کی توقع روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنے اسی سیاسی مقصد میں بھی بالکل ناکام ہیں۔ ! گویا ہماری سیاسی زندگی اور جدوجہد کا ماحصل ناکامی و نامرادی ہے۔ واقعہ روزِ روشن سے زیادہ روشن ہے جس کا انکار بدیہات کا انکار ہے۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے طرزِ عمل پر ناقدانہ نظر ڈال کر اس کھیا ئنگ اور ناکامی و نامرادی کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ ؟

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحق۔

دین و سیاست سیاست دین کا ایک شعبہ بھی ہے اور اس کا خادم و محافظ بھی۔ اس راہ کے رہنما اگر غفلت یا غلطی کریں تو کاروانِ امت کی متاعِ دین خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ سیاست کی راہ میں جو بددینی آتی ہے وعظ و تذکیر سے اسے روکنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ کتاب و سنت نے سیاست کو دین کا محافظ اور ناصر بنا دیا ہے۔ ارشادِ حق ہے :

الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔	(یہ مدنی صحابہ کرامؓ ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمادیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں گے۔

...

بالفاظ مختصر سیاسی اقتدار کا مقصد دینِ حق کا فروغ اور غلبہ ہے۔ اس میں یہ اصولی تعلیم پنہاں ہے کہ ہمارا ہر سیاسی اقدام صرف دینِ حق کی نصرت و غلبہ کے لئے ہونا چاہئے۔ جو قدم بھی ہم اٹھائیں اس میں دین

کی مصلحت اور اسکی نصرت مدِنظر ہو۔ ہم دین کے غلبہ کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تن پیٹ کا خود ہی انتظام فرما دیں گے۔ لیکن کیا ہماری سیاست آج تک اس راستہ پر کبھی چلی۔؟ یا آج اس راہ پر گامزن ہے۔؟ افسوس کے ساتھ جواب نفی میں دینا پڑتا ہے۔ ہماری بنیادی غلطی یہی ہے۔ جس نے ہمیں ناکامیوں سے دوچار کر دیا۔ ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ مگر غور و فکر کے بعد انشاء اللہ سمجھ میں آجائے گی۔ آئندہ سطریں اس کے سمجھنے میں انشاء اللہ معاون ہوں گی۔

سیکولر ذہن نعرے فضا کو مضطرب کر سکتے ہیں، مگر حقیقتوں کا بدل نہیں ہو سکتے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی اسلامی نظام کا نعرہ فضا میں گونجنے لگا تھا۔ اور اب تو کیفیت یہ ہے۔ پاکستان کی کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے۔ جو یہ نعرہ نہ بلند کر رہی ہو۔ یہاں تک کہ جو جماعتیں کھلم کھلا اسلام کے گلے پر چھری پھیر رہی ہیں۔ وہ بھی یہی نعرہ لگا کر چھری پھیرتی ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ عملاً ہماری سیاست بالکل دنیاوی ہے۔ اور ہمارے پچیس سالہ سیاسی اقدامات میں نصرتِ دین کا عنصر بالکل مفقود معلوم ہوتا ہے۔ ان سیاسی لیڈروں کا تذکرہ نہیں جو پکے دنیا دار اور فاسق ہیں۔ ان دیندار قائدین کے متعلق عرض ہے۔ جنکی انفرادی زندگی تقویٰ و دینداری کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ جب وہ اجتماعی زندگی میں پہنچتے ہیں۔ اور کوئی سیاسی قدم اٹھاتے ہیں تو دنیاوی مصلحتوں اور مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ دینِ حق پر ان کے اقدام کا کیا اثر ہو گا۔؟ یہ سوال ان کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جماعتی، قومی، صوبائی، ملکی، اقتصادی وغیرہ مختلف قسم کی مصلحتیں ان کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ مگر دینی مصلحت کا نام اس فہرست میں کہیں نظر نہیں آتا۔ بالفاظ مختصر جن قائدین کا ذہن اپنی انفرادی زندگی میں خالص دینی ہوتا ہے۔ وہ بھی سیاسی مسائل کو سیکولر (SECULAR) ذہن سے سوچتے ہیں۔

سنی ذہن کی ضرورت اور اس کا فقدان سیاسی پلیٹ فارم پر اسلام کا نام لینے کا رواج اب بھی ہے۔ اور پاکستان بنانے کیلئے بھی اسی نام سے کام لیا گیا تھا۔ مگر ہمارے سیاسی قائدین ایسے "اسلام" کی حمایت و نصرت کا دم بھرتے ہیں۔ جس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ کیا آپ کسی ایسے انسان کا تصور کر سکتے ہیں۔ جو نہ گورا ہو نہ کالا نہ لمبا نہ ٹھنگنا، نہ دبلا نہ موٹا۔ غرض ہر تشخص اور تعین سے آزاد ہو۔؟ اگر ایسے انسان کا دنیا میں وجود نہیں۔ تو ایسے "اسلام" کا وجود کیسے ہو سکتا ہے۔ جو سنیت، شیعیت، قادیانیت وغیرہ ہر تشریح سے ماوراء اور آزاد ہو۔؟ سیکولرزم کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ سیاسی ادارہ بد دین اور دشمن دین ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت ادارہ سیاسی اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی مذہب کی حمایت یا مخالفت کرتا ہے۔ اس میں شامل ہونے والے افراد جو مذہب بھی رکھیں، ادارے کو بحیثیت ادارہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہی طرزِ عمل ہمارے سیاسی اداروں کا ہے۔ ہمارے سنی لیڈروں نے "اسلام" کی کوئی ایسی تعریف

معلوم کرلی ہے۔ جو ہر قید سے آزاد اور "سیکولر" ہے۔ وہ اسی اسلام کی حمایت و نصرت کا دم بھرتے ہیں۔ حقیقی اسلام جس کا نام دین اہل سنّت ہے سیاست نہیں، کبھی ان کا موضوع سخن نہیں بنتا۔ اسی طرز فکر کا نام سیکولر ذہن ہے۔ جبکہ ہماری فلاح کیلئے "سنّی ذہن" کی ضرورت ہے۔

ہم سنّی ہیں اور ہم اس دین کو اسلام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن میں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی رسول کی سنت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور سنت وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی اور جس کا عملی نمونہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی یہی اوّلین اور افضل ترین جماعت تھی۔ اسی اسلام کا دوسرا نام مذہب اہلسنت والجماعۃ ہے۔ جو اسلام صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی پر مبنی ہو یا جو کتاب و سنت میں کسی دوسری کتاب یا کسی دوسرے کی سنت کا ضمیمہ لگانے کی تعلیم دے اسے ہم حقیقی اسلام نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہمارے اوپر اسی "اسلام" کی نصرت وحفاظت کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ جسے ہم اسلام حقیقی کہتے ہیں۔ کسی مبہم اور "سیکولر اسلام" کی نصرت وحفاظت کا نعرہ بلند کر کے ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہم دوسرے مدعیان اسلام کے ساتھ شرعی حدود کے اندر رواداری برت سکتے ہیں لیکن یہ کس طرح جائز نہیں کہ ہم انہیں خوش کرنے کیلئے اپنے دین کی نصرت وحفاظت سے دستبردار ہو جائیں۔

ہمارے سیاسی قائدین "سنت" اور "سنی" کا لفظ بھی اپنی زبان پہ لانا ممنوع سمجھتے ہیں۔ ان میں سے گنے چنے لوگ، کبھی کبھار قادیانیوں کے بارے میں کچھ کہہ کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جس اسلام کے غلبہ کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ اس میں قادیانیت کیلئے گنجائش نہیں ہے۔ مگر "سنّی" کا لفظ کبھی بھولے سے بھی ان کی زبان پہ نہیں آتا۔ اور شیعوں سے مغائرت کا کوئی پہلو ان کے کسی قول و اقدام سیاسی میں نہیں نکلتا۔ گویا وہ جس اسلام کی نصرت کے دعویدار ہیں وہ شیعیت کے اعتبار سے "سیکولر" ہی رہتا ہے۔

——— ہمارا سیاسی کارواں شروع سے اسی راہ پر گامزن ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی سیاست ستر فیصد شیعی، بیس فیصد قادیانی اور دس فیصد سیکولر سیاست رہی۔ اور آج بھی یہی تناسب قائم ہے۔ سنّی سیاست کا اس میں کوئی جز نہیں۔ یہ دس فیصد سیکولر سیاست بھی درحقیقت اوّل الذکر دونوں سیاستوں کی خادم ومعاون ہے۔ اور اہلسنت کیلئے صرف نعرہ "اتحاد اسلامی" کی "افیون" مہیا کرتی ہے۔ سیاسی میدان میں شیعوں اور قادیانیوں کے درمیان اتحاد کامل ہے۔ قادیانی اقلیت بھی ہیں۔ اس لئے اگر اس فیصد کو بھی ہم شیعہ سیاست ہی ایک جز کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اسے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ہماری کوئی سیاسی جماعت شیعی اثر سے خالی نہیں۔ اکثر واغلب سیاسی جماعتوں میں تو شیعہ صاحبان باوجود قلت مقدار عنصر غالب DOMINANT FACTOR کی حیثیت سے داخل ہیں۔ بہت تھوڑا

تعداد ایسی جماعتوں کی ہے جن میں یہ حضرات رکن کی حیثیت سے نظر نہیں آتے۔ مگر وہ بھی ان کے زیر اثر ہیں۔ اور ان کی مرضی کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہیں کر سکتیں۔ بعد یہ ہے کہ ان میں سے بعض دینی رنگ رکھنے کے باوجود "سنی" کا لفظ زبان پر نہیں لا سکتیں۔ جب اس لفظ کے بارے میں بھی احتیاط کا یہ عالم ہے تو اسکی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ کہ یہ سیاسی گروہ اور یہ قائدین کرام بھی اہلسنت کے حقوق واجبۃ اللّٰہ امد تناسب آبادی کے اعتبار سے مملکت میں ان کے صحیح حصّے کے بارے میں کوئی لفظ زبان پر لا سکیں گے۔ یا مذہب اہلسنت کی نصرت وحفاظت کیلئے کبھی کوئی قدم اٹھائیں گے۔؟ یہ لوگ اور تو کیا کر سکتے ان میں سے تو یہ بھی نہ ہو سکا کہ مملکت پاکستان کو "سنی" مملکت قرار دیتے۔ حالانکہ یہاں غالب اکثریت سنیوں کی ہے۔ مملکت کا مذہب "سنی" ہونا لازم ہے۔ "اسلامی نظام" کے داعی ہونے کے باوجود وہ اس نظام کی صحیح نوعیت متعین نہ کر سکے۔ نہ یہ سوال کبھی ان کے ذہن میں پیدا ہوا۔

سیاسی قیادت کے اسی طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ اجتماعی سنی ذہن وجود میں نہ آ سکا۔ بلکہ انفرادی ذہن میں بھی بوسیدگی کے آثار پیدا ہونے لگے اور اب تو حال یہ ہے کہ عوام تو عوام خواص میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد بہت قلیل رہ گئی ہے۔ جن میں اپنے مذہب اہلسنت کیلئے محبت کا جذبہ باقی ہو۔ یا جو اپنی انفرادی زندگی میں بھی "سنی ذہن" سے سوچتے ہوں۔

—— اسی ذہن کی شکست نے سلطنت مغلیہ کی فلک بوس عمارت کو زمین بوس کر دیا۔ اسی محرومی نے ہمیں پاکستان کے ایک بڑے حصّے سے محروم کیا۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے لئے کوئی حادثہ بھی عبرت خیز اور بصیرت افروز ثابت نہ ہوا۔

اصول سیاست سے غفلت | میں کوئی سیاسی لیڈر نہیں نہ کسی سیاسی جماعت سے میرا کوئی تعلق ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ سیاسی مسائل کو سمجھتا ہوں۔ اور اس کے اصول سے واقف ہوں۔ میں متحیر ہوں کہ ہمارے سیاسی قائدین کو اگر دینی نقطۂ نظر سے سیاسی مسائل پر غور کرنا پسند نہ تھا۔ تو انہوں نے اس کے ساتھ اصول سیاست کی طرف سے بھی آنکھیں کیوں پھیر لیں۔؟ جس ملک کی آبادی اکثریت واقلیت پر مشتمل ہو وہاں اقلیتیں اقتدار حاصل کرنے کی پوری کوششیں کرتی ہیں۔ اور کبھی اس سے غافل نہیں رہتیں۔ ایسے مقامات پر اکثریت کو اپنے جائز حقوق کے تحفظ کیلئے خصوصی طور پر کوشش کرنا پڑتی ہے۔ خصوصاً جب یہ اقلیتیں مذہبی ہوں تو وہ اپنے مذہب کی ترویج کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ اور اقتدار حاصل کر کے اس کی قوت سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ خصوصاً جمہوریت میں تو یہ مسئلہ اور بھی شدّت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اکثریت کو اپنے دینی اور اپنے سیاسی وملکی حقوق کے تحفظ کے لئے بہت چوکنّا رہنا پڑتا ہے۔ یہ اصول عملی

سیاسیات کی ابجد میں داخل ہے۔ مگر حیرت و افسوس ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین کی نظر سے یہ بھی اوجھل رہا۔ انہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہ کیا۔ یہاں شیعہ اور قادیانی دو بڑی اقلیتیں ہیں جو خود کو مسلمان کہتی اور جنکی اجتماعی بنیاد اسلام کی ایک خاص تشریح پر قائم ہے۔ جو اسکی سنی تشریح سے کلیۃً مختلف بلکہ متصادم ہے۔ اس لئے دین اہلسنت والجماعۃ اور حقوق اہلسنت کی حفاظت کی فکر کرنا لازم ہے۔ پھر یہ بھی ایک بدیہی واقعہ اور سیاسیات کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ کہ ایسے حالات میں اقلیتیں آپس میں اختلافات رکھنے کے باوجود اکثریت کے مقابلے میں اس کے مفادات کو چھیننے اور اسے اس کے جائز حقوق سے محروم کرنے کیلئے متحد و متفق ہو جاتی ہیں۔ ہمارے قائدین نے سیاسیات کے اس ابتدائی اور بنیادی اصول کو بھی نظر انداز کر دیا جسکا واحد سبب "سنی دین" کا فقدان ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہم نصرت الٰہی سے محروم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت اس وقت ہے جب ہم اللہ کے دین کی نصرت کریں۔ ارشاد حق ہے: ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم اگر تم اللہ کی (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی) نصرت کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرماویں گے اور تمہیں (دین پر) ثابت قدم رکھیں گے۔" ——————— ہم نے پاکستان، جمہوریت پارٹی وغیرہ بہت سی چیزوں کی نصرت کی مگر دین حق کی کوئی امداد نہ کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت و امداد نہ فرمائی، اور ناکامی و نامرادی ہمارے ہاتھ آگئی ——— کاش ہمارے قائدین اس واضح نکتہ کو سمجھتے۔

تخریبی کوشش | غنیمت ہوتا اگر صرف بے اعتنائی اور غفلت ہی ہوتی۔ لیکن "سنی ذہن" کے امکانات کو ختم کرنے اور اس کے بچے کھچے آثار کو مٹانے کی کوشش نے اس کے فقدان کے ہولناک نتائج کو اور کراریا۔ یہ کوشش جناب مودودی صاحب کی جانب سے ہوئی جنہوں نے پاکستان بننے سے پہلے ہی "خلافت الٰہیہ" "اسلامی نظام" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس نعرے کی خوبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اس کی شرح نے خود متن پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ انہوں نے خلافت و سیاست کو دین کا ایک شعبہ ظاہر کرنے کی بجائے کل دین بنا دیا۔ اور سیاست کو دینی بنانے کی بجائے دین کو سیاسی بنا دیا۔ ان کے نزدیک نماز روزہ درحقیقت خلافت و حکومت کیلئے تربیت کے طریقے و تدابیر ہیں فی نفسہ مقصود نہیں ہیں۔ جن اعلیٰ اخلاق کی تعلیم شریعت دیتی ہے، ان کے پیدا کرنے کا مقصد بھی خلافت الٰہیہ کے لئے صالح افراد کو تیار کرنا ہے۔ فی نفسہ ان اخلاق سے آراستہ کرنا مقصود نہیں۔ موصوف کی کتابیں اور مضامین سے ان کا یہ نظریہ اس قدر واضح ہے کہ کسی حوالے کی احتیاج نہیں۔ تاہم "مشتے نمونہ از خروارے" اس بارے میں انکا ایک قول صریح نقل کرتا ہوں:

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ نماز روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے۔ اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔ یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادت کی طرح پوجا پاٹ اور نذر و نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کیلئے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کیلئے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ اب چونکہ میں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ اس لئے وقت آگیا ہے۔ کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے۔ جس کے لئے یہ ساری تیاری ہے۔

مختصر الفاظ میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا کام جہاد ہے۔ اور نماز، روزہ حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لئے ہیں۔ (خطبات ص ۲۲۷)

مودودی صاحب کے اس "زاویۂ معکوس" نے کتاب و سنت کی تعلیم کے برعکس دین کو سیاست بنا دیا۔ جبکہ دین کا مطالبہ یہ ہے کہ سیاست کو اس کے رنگ میں رنگ کر اس کے تابع اور اسکی باندی بنایا جائے ــــ۔

ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امت کو یہ معکوس زاویۂ نظر دیا جسے اختیار کرنے سے دین کی ہر چیز اپنی صحیح مقام سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور کتاب اللہ کے نزول کا مقصد وحید دنیا میں ایک مثالی سلطنت و حکومت قائم کرنا تھا۔ بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرنا نہ تھا، یہی شیعی زاویۂ نظر ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے صحابہ کرام پر تنقید اور ان کی عظمت و عقیدت کو دلوں سے مٹانے کی کوشش بھی پوری قوت کے ساتھ کی۔ اس طرح انہوں نے "شیعی ذہن" کی تخم ریزی کرنے کے ساتھ ساتھ "سنیت" کے رہے سہے احساس اور اسکی حمیت کو اہلسنت کے قلب و ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی جو سنی ذہن کی اصل جڑ اور ہے۔ اور جس کے وجود سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ شاید کبھی بارانِ رحمت سے سیراب ہو کر نشو و نما حاصل کرے اور سنی ذہن کا شجرۂ طیبہ نمایاں ہو کر سرسبز ہو جائے۔

ــــ سنی ذہن کے خلاف اس تخریبی اقدام کا مقصد کیا ہے۔ صاحب بصیرت (در سنت مراج

تو یہی کہے گا کہ شیعیت کا غلبہ مودودی صاحب کا مقصد ہے - اور "اسلامی نظام" سے ان کی مراد شیعی نظام ہے۔ جس کا ایک عملی اظہار وہ مس فاطمہ جناح آنجہانی کو صدر بنانے کی حامل کی صورت میں کر چکے ہیں۔

جماعت اسلامی کے ایک رکن رکین ڈاکٹر اظہر صاحب قریشی نے تو اس مسئلہ میں جماعت کے مسلک کو بالکل واضح کر دیا۔ اس تصریح کی احتیاج نہیں کہ جماعت کی پالیسی مقرر کرنے والے مودودی صاحب ہی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی ایک تقریر کا اقتباس درج ذیل ہے، جو انہوں نے الیکشن کے دوران کی تھی۔

"سربراہ مملکت کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے، سنی عقیدہ کی شرط ضروری نہیں اور جو جماعت اس بات پر اصرار کر رہی ہے، وہ اپنے ہی تیار کردہ بائیس نکات کے خلاف ایسا کر رہی ہے۔" (روزنامہ "حریت" کراچی مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۷۰ء)

ابھی یہ واقعہ بھی لوگوں کو یاد ہوگا کہ مودودی صاحب نے یحییٰ خان سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ جمہوریت قائم کر دے تو اسی کو مزید پانچ سال کے لئے صدر منتخب کیا جائے گا۔

—— دوران الیکشن کی ایک بات اور یاد آگئی "جنگ" کا تراشہ میرے سامنے ہے جس میں جماعت اسلامی کے ایک حامی عبداللطیف صاحب شیخ کا ایک مضمون جماعت کی حمایت اور علماء کی مخالفت میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو :-

"یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ گزشتہ تیس سال سے جماعت اسلامی مسلسل طبقہ واریت کے خلاف جہاد کر رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ یہ پاکستان کی واحد دینی جماعت ہے جس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ خواہ سنی ہوں، شیعہ ہوں یا دیوبندی تبلیغ اسلام کیلئے جمع ہیں۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء)

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :-

"میں یہاں پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر شیخ مجیب نے بنگالی ازم اور پیپلز پارٹی نے سوشلزم کا نعرہ لگایا تو جماعت اہلسنت جو کہ اپنے آپ کو جمعیۃ علماء پاکستان بھی کہتی ہے۔ "سنی ازم" کو ابھار رہی ہے۔" (حوالہ مذکور)

گویا مضمون نگار کے نزدیک بنگالی ازم اور سوشلزم کے نعرے اور مذہب اہلسنت کے نعرے میں کوئی فرق نہیں۔ سب کا مقام ایک ہی صف میں ہے۔ اور "سنیت" ان دونوں کی طرح معاذ اللہ باطل ہے۔ اس نمونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے "سنی ذہن" کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے میں کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اور اپنے معتقدین کو کس نوعیت کا ذہن

دیا۔ اور تحریک سے ان کا حقیقی مقصد کیا ہے۔؟

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ سے

——— ان اندرونی حالات نے دین حق یعنی مذہب اہلسنت والجماعۃ کیلئے سیاسی فضا کو کس قدر زہر آلود کر دیا ہے۔؟ یہ امر کسی ایسے سنی کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا جس میں ذرہ برابر بھی دینی حمیت اور مذہبی احساس موجود ہے۔ ان کے ساتھ اگر ان بیرونی مساعی و تدابیر کو بھی سامنے رکھتے جو مذہب اہلسنت کے کھلے ہوئے دشمن اسے مٹانے کیلئے کر رہے ہیں۔ تو آپ کو ان خطرات کی ہولناکی کا کچھ اندازہ ہوگا جنہوں نے پاکستان میں دین حق کو گھیر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دین متین کی حفاظت کی پوری کوشش نہ کی گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ خاکم بدہن اسلام حقیقی یعنی مذہب اہلسنت اس ملک سے رخصت ہو جائیگا۔ کم از کم آئندہ نسل سنی نہ ہوگی۔ العیاذ باللہ۔ ——— کیا ہمارے قائدین اس اہم ترین مسئلے کیطرف توجہ فرمائیں گے۔؟

نامۂ حفیظ
بنام مدیر الحق

شاعر اسلام حضرت حفیظ جالندھری

غیرتِ ملّی کہاں چلی گئی ۔۔۔؟

نئے خطرات ــــــ نئی سازشیں ــــــ نئے فتنے

الحق کا تازہ شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء زیر مطالعہ ہے۔ بار بار قلم اٹھاتا ہوں۔ ہمت جواب دے جاتی ہے تاہم بار بار اپنے احساسات کو روکتے ہوئے یہ سطور لکھنے پر مجبور ہوں۔

نقشِ آغاز ــــ فجر اسلام ــــ ایک فلم ــــ جس میں عہدِ رسالت کی تصویری عکس کشی کے ذریعے سینما دیکھنے والوں کی تفریح کا سامان کیا گیا ہے۔ اس پہ مسلمانِ پاکستان کی بے حسی کا جو ماتم آپ نے محسوس کیا ہے۔ وہی عالم ہر اس غیرت مند کا ہونا چاہئے۔ جس میں حیا کا جوہر ابھی کہیں موجود ہے۔

لیکن آپ کی طرح محسوس کرنے والے ہیں کتنے۔؟ اور محسوس کر لینے کے بعد ان میں سے کون ہے جو اس معاملے پر علانیہ آواز بلند کرے ــــ آپکے اس شمارے سے بہت پہلے اخبارات میں اس فلم کی خبر اور اس کا ذکر ــــ مذمت کے الفاظ میں آتا رہا۔ پھر خاموشی چھا گئی ــــ آپ کا الحق جن لوگوں کے مطالعہ میں آتا ہے ــــ کیا ان میں سے اپنے اپنے مقام پر کوئی اس ماتم میں علانیہ شریک ہوگا ــــ؟

معاف کیجئے گا، یہ سوال میرے قلب سے ابھر کر کاغذ پر آہی گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہو تو میرا یہ استفسار شائع کر دیجئے ــــ؟ اور اگر میرے اس استفسار کا جواب ملے۔ تو مجھے مطلع کیجئے۔ تاکہ میں بھی جس حالت میں ہوں۔ ان کے ساتھ شامل ہو کر کوئی عملی اقدام تجویز ہو تو اس جہاد میں حصہ لوں ــــ!

اسی نقشِ آغاز میں اسی موضوع پہ یہ الفاظ ہیں:

> "آج سے چند سال قبل انگریز کے عہدِ نامسعود میں صرف حج کے نام پر کوئی فلم جس غیور اور جسور قوم کے افراد کو گوارا نہ ہو سکی، آج وہ قوم فحاشی اور بے حیائی کے ان فلمی پردوں پر عہدِ رسالت کے نقشے دیکھنے پر بھی خاموش ہے۔"

پھر وہی سوال ابھرتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔؟

ایسا اس لئے ہے کہ وہ قوم جسکو آپ نے غیور اور جسور کا فتویٰ دے کر مفتخر کیا ہے۔ وہ خود غیور و جسور

اس لیے تھے کہ اس میں چند ایسے بے لوث افراد بھی موجود تھے جن کی آواز میں صداقت شعاری تھی۔ جو اپنی جان مال آل اولاد سب کچھ دین پر قربانی کر دینے کا ملت کو یقین دلا چکے تھے۔ ان کی آواز پہ عامۃ المسلمین اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور دشمنان اسلام کی بہت سی حرکات کا سد باب ہو جاتا تھا لیکن دشمنان اسلام جبھہ بند بھی تھے۔ ان کو مسلمانوں ہی میں منافقین بھی مل جانے لگے تھے۔ لہٰذا بے لوث افراد کی تعداد گھٹتی گئی ——

روپیہ، عہدے، املاک اقتدار شخصی مال و اموال ہر راستے میں پڑے ہوئے ملے۔ اور اس طرح دکھائی دئے جیسے کتوں کے سامنے ہڈیاں آجائیں۔ یہ لوگ لپکے۔ جن لوگوں نے یہ ہڈیاں راہوں میں بکھیری تھیں۔ انکو چمکارنے کا فن بھی آتا تھا۔ چنانچہ یہ کتے چمکارے گئے۔ تو دم ہلاتے ہوئے ان کی آقائی مانتے ہوئے ساتھ ہو گئے۔ یہ کتے ہم مسلمانوں ہی میں سے سدھائے گئے۔ اور چھوڑ دئے گئے۔ ان بے لوث خادمان دین پر، جو قوم کی جسارت اور غیرت کو جگا دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جھنجھوڑے بھنبھوڑے ہوئے قائدین غیرت کم ہوتے ہوتے گم ہو گئے۔ اور عملداری زیادہ تر غیروں کے آگے دم ہلانے اور اپنی ملت کو غیروں کی راہ پہ لانے والوں ہی کی ہو گئی —— اب آپ ہیں۔ یا آپ ایسے چند ایک اور۔ وہ محض ماتمی ہیں۔ ان میں خود جسارت باقی نہیں۔ کہ اتحاد کریں۔ کیونکہ اتحاد کے بغیر جہاد مضحکہ ہے ——!

میں نے اپنی صغرسنی سے جو کچھ آجتک دیکھا وہ یہ ہے کہ غیرت و حمیت کی آواز بلند کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں ہی میں سے کتے بنا دیئے جاتے رہے ہیں۔ اور اپنے ہی علماء قائدین صادق کی بر سرعام و بر سرِ راہ ایسی ایسی توہین کی گئی کہ آج بھی اس وقت اس کے تصور سے میرا رہا سہا خون کھول رہا ہے۔ اپنی ہی ملت کی کشتی کو طوفانِ حوادث سے بچانے والے اپنی ہی ملت کے ہاتھوں بحرِ ذلت میں غرق کئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن ان کی محنت اور ایمان نے پاکستان قائم کر دیا —— ہاں پاکستان۔ لیکن آپ نے پنجابی کی وہ مثل تو سنی ہوگی کہ:

رِنّا دُھپا ہی نہیں، اُچکے پہلے ای آ گئے۔

یعنی لسّی ابھی لسی ہی نہیں، لٹیرے پہلے سے آ موجود ہوئے —— یہی صورت حال پاکستان کی تشکیل میں ہوئی۔ انگریز نے، ہندو نے، یہود نے، روس نے، امریکہ نے پاکستان میں پاکستانیوں ہی میں سے خریدے ہوئے گرگے متعین کر رکھے تھے۔ ہاں یہ گرگے انگریزوں کے پرانے ملازمین اور ان کی اولادوں میں سے بھی تھے۔ یہ صنعت اور کارخانہ داری کے لالچی تھے۔ یہ اسکولوں، کالجوں میں اشتراکی دلالی کرنے والے بھی تھے۔ یہ علماء کے بھیس میں بھی۔ یہ فقراء کے لبادوں میں بھی۔ یہ شاعروں صحافیوں، ادیبوں، مقرروں، محرروں کی صورت میں بھی تھے۔ یہ پاکستان کی اولین تحریک کے دن سے تھے۔ یہ تشکیل کے ساتھ ساتھ تعمیر میں تخریب کے ہزاروں حربے کر آئے تھے۔ یہ موجود ہیں۔ یہ برسرکار ہیں۔ اور ان کے مقابل آپ ہیں۔

اور ہم ایسے جو بھی ہیں ان ہی سے

درستی اب گلے کا ہار نہیں — تار ٹوٹا بکھر گئے دانے

آپ سمجھتے ہیں انگریز کا دور چلا گیا۔ میں کہتا ہوں، انگریز کا وہ دور جس کا آپ نے ذکر کیا ہے انگریز کا دور نہیں تھا، آج ہے۔ انگریز کا دور وضع قطع تعلیم و تربیت، خیال و اعمال، کردار و رفتار، خدارا مجھے بتایئے کون سی بات اس وقت عوام و خواص میں ہے۔ جسکو آپ انگریز کے دور کا نہیں مانتے۔

اب سوال یہ ابھرتا ہے کہ یہ تو ہے آشوب — اس کا ازالہ کیا ہے۔؟ کیا ایسی کوئی راہ ہے کہ ساری ملّت اس ہلاکت سے بچ جائے جس کا منصوبہ مسلمانوں کو اس دنیا سے ملیا میٹ کرنے کے لئے صدیوں پہلے سے ہو چکا ہوا تھا۔ اور اب یہ منصوبہ کامیابی کے ایسے مرحلے پر ہے، کہ روس، امریکہ، انگلستان اور بھارت چاروں جہت سے آخری ضرب لگا رہے ہیں — اور یہ ضرب مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کے ہاتھوں لگ رہی ہے۔

استفسار یہ ہے کہ آیا آپ اور آپ کے ہم نوا احباب علماء کرام کوئی عملی تجویز بتائیں گے۔ تاکہ میں اپنے حلقۂ اثر میں ان کے ساتھ شامل ہونے کی تبلیغ کروں۔

ہاں! مولانا سمیع الحق جی آپ نے میرا مکتوب شائع کر دیا۔ وہ تو محض قادیانیوں کے بارے میں چند سطور تھیں۔ ایک سادہ سی تجویز۔ یعنی ان کو ناپاک کوڑھی لوگوں سے بھی زیادہ اپنے لئے خطرناک گردانا جائے۔ میں چاہتا ہوں میری اس تجویز پر غور کیا جائے۔ اور اگر یہ محض ایک بوڑھے نادان شاعر کی ناقابل قبول ہرزہ سرائی نہ ہو۔ تو اس کو ایک زندہ تحریک کی صورت دینے کا اہتمام ضروری ہے —

الحق یعنی آپ اور لائل پور سے المنبر اور لاہور سے چٹان بلکہ ہر جگہ سے اہل غیرت (میرا یقین ہے) اس تجویز پر عمل کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

لیکن یہ فتنہ تو بہر حال ہماری جان اور ہمارے ایمان کا ایک مدت سے روگ ہے۔ تازہ فتنہ پاکستان کو مٹانے اور قطعاً ختم کر دینے کا وہ منصوبہ ہے۔ جو روس نے بنایا تھا۔ اور جس کے دلال پاکستان میں ثقافت اور تعلیم کے ہر ادارے پر مسلط ہیں — یہ ناچ رنگ یہ خرافتیں جس کا ذکر آپ نے اس شمارہ میں خاص طور پر کیا ہے۔ یہ بہت گہری سازش کا نتیجۂ عملی ہے۔

کیا آپ نے سیارہ ڈائجسٹ (لاہور) کے پانچ شماروں میں ایک مسلسل مضمون مطالعہ کیا ہے۔ اگر نہیں کیا۔ تو خدارا ان کو لاہور کے دفتر سیارہ ڈائجسٹ سے حاصل فرما کر پڑھ ڈالئے۔ اس مضمون کا عنوان ہے "حنیفا تاشقند میں" اور موضوع یہی ہے جس میں آپکے ساتھ شریک حال و خیال ہوں۔ فقط

حنیف - ۲۱ جنوری ۱۹۷۴ء

ہمارے اسلاف

جانشین شیخ الہندؒ

مولانا سعید الرحمٰن علوی

لاہور کے ایک صاحب نے جانشینیٔ شیخ الہند کے عنوان سے ایک ٹریکٹ چھاپ کر تقسیم کیا تھا حضرت شیخ الہند کے تمام خدام ہمارے لئے آفتاب و ماہتاب کی مانند ہیں لیکن احترام سلف کی نزاکتوں سے ناواقف مضمون نگار نے حقائق کو جھٹلانے کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی ذات اقدس کے خلاف جو زبان استعمال کی وہ افسوسناک تھی۔ یہ مضمون اس کا ردعمل ہے۔ میں اکابر کے احترام کو اخروی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے قلم کو لغزشوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اس کے باوجود انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ بزرگ کسی مجلہ کی اصلاح فرمائیں گے تو کرم ہوگا۔

قطب زمن، امام الحریۃ، وارث علوم قاسمی و رشیدی، اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہٗ جیسی یگانۂ روزگار شخصیتیں سالوں نہیں قرنوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کے لوگ اپنی حیات مستعار کے لمحات کو لہو و لعب میں ضائع نہیں کرتے بلکہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو مرضی و منشاء الٰہی کے مطابق گذار کر اپنے عظیم تر ہونے نقش جریدہ عالم پر ثبت کر کے اس جہان رنگ و بو سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

امت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ چونکہ "خیر امت" ہے۔ اور اس شرف و کرامت کا سبب "اخرجت للناس" کی قرآنی حقیقت ہے۔ اس لئے آقاء مکی و مدنی کے سچے جانشین اور وارثان علوم نبوت از مہد تا لحد انسانیت کی اصلاح و فلاح کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان کا مطمح نظر خلق خدا کی بہتری ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے خداداد علم و عمل اور فکر و عقل سے بندگان خدا کو فائدہ پہنچانا اور اپنی

تمام تر صلاحیتوں کو بہبودیٔ خلق خدا کیلئے وقف کرنا ہی کار خیر سمجھتے ہیں۔ خدا کی مخلوق کا غم اپنا غم ہوتا ہے۔ اور وہ اس غم میں ناتواں ہڈیوں تک کو پگھلا دیتے ہیں۔ ـــــ حضرت شیخ الہندؒ کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالیں، سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کا ایک حسین امتزاج نظر آجائیگا۔

قصبہ دیوبند کی مسجد جامع کے درخت انار کے نیچے قائم ہونے والے مکتب کے پہلے طالب علم کی حیثیت سے لیکر اسی مدرسہ کے صدر مدرس، شیخ الحدیث اور آخر میں اسیر فرنگ ہونے تک جتنے مراحل آپ کے سامنے آئیں گے ان کی پشت پر ایک ہی جذبہ نظر آئیگا۔ یعنی بحکم خدا مخلوق خدا کی صلاح و فلاح! حقیقت یہ ہے کہ آپ جس راہ سے گذرے اپنی ایمانی شعاعوں سے ایک دنیا کو منور کر گئے۔ دیوبند کی مسند تدریس سے لیکر اسارت فرنگ تک مراحل پر ایک نظر دوڑائیے۔ کتنے ہی پروانگان شمع محمودی آپ کو نظر آئیں گے جو اپنے استاذ الشیخ، مربی اور قائد و رہنما کے سانچے میں ڈھل کر اسی طرح سرگرم عمل ہیں جسطرح خود استاذ و شیخ!

ملت اسلامیہ کی نفع رسانی اور ان کے غموں میں گھلنے کے انہی جذبات صادقہ کو معبود حقیقی نے اپنی بارگاہ صمدیت میں یوں مقبول و منظور فرمایا کہ ملائکۃ اللہ کی وساطت سے ہندو بیرون ہند کی دنیا کے دلوں میں کچھ اس قسم کی خواہش پیدا فرما دی کہ پوری دنیا بیک زبان آپ کو "شیخ الہندؒ" کے لقب گرامی سے یاد کرنے میں ہی ذہنی اور قلبی سکون محسوس کرتی ہے۔ اور اصل نام اس "الہامی لقب" کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(حضرت العلامہ السید محمد انور شاہ قدس سرہٗ کے قابل فخر شاگرد اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم روحانی پیشوا استاذی مفتی محمد شفیع سرگودھوی قدس سرہٗ اس لقب کو الہامی لقب فرماتے تھے۔)

دوسری حیثیتوں سے قطع نظر صرف اپنی تدریسی زندگی کی وساطت سے حضرت الشیخؒ نے ایک دنیا کیلئے نفع رسانی کا جو سامان مہیا کیا، اگر اسی پر گفتگو کی جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ صحاح ستہ بالخصوص بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس کے دوران جس فراخ دلی سے آپ نے علمی جواہر ریزے بکھیرے وہ کیا کم احسان ہے کہ پھر آپ نے ابواب بخاری اور بعض مشکل ترین فقہی مسائل پر معرکۃ الآراء رسائل لکھے جو بضاعت کہتر بغنیمت بہتر کی بین الاقوامی ضرب المثل کی وافتاقی تفسیر ہیں۔

اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا یہ احسان تاقیام قیامت امت کی گردن پر رہے گا کہ آپ کے حلقۂ درس سے وہ "جبال علم" سامنے آئے جن کے تحقیقی علم کے سامنے ایک دنیا سرنگوں ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ ساقی کی نگاہ کرم کے صدقہ کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب آسمان علم و تحقیق پر جگمگا رہے ہیں۔

شیخ الاسلام مدنی، سحبان الہند محدث (حضرت کشمیری)، بوحنیفہ وقت مفتی کفایت اللہ، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، شارح مسلم حضرت عثمانی، قائد قافلہ حریت مولانا منصور انصاری، شیخ التفسیر حضرت لاہوری، امام المبلغین مولانا محمد الیاس، امام المعقولیین مولانا محمد ابراہیم، مولانا رسول خان، مولانا عبد الصمد کرت پوری، مولانا محمد سہول بھاگلپوری اور مادرزاد ولی سید اصغر حسین قدس اللہ اسرارہم العزیز ورحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ اور ان ہی طرح کے دوسرے حضرات اپنی مثال آپ تھے، ان کی زندگیاں سراپا دین وعلم تھیں۔ یہ لوگ اخلاق نبوی کے مجسم نمونے اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سوانح مقدسہ کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں۔

حضرت شیخ الہند کی تعلیم و تربیت کے صدقے ایسے لوگ آخر کیوں نہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے جبکہ فقیہ عصر قطب عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ آپ کو "علم کا کھٹلا" قرار دیتے۔ (بروایت حکیم عبد المجید صاحب الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۶)

لیکن ان سب حضرات میں سے استاذ العرب والعجم، مہاجر مدینہ وارث علوم قاسمی شیخ الاسلام السید حسین احمد مدنی قدس سرہ کو حضرۃ الشیخ سے وہی نسبت ہے۔ جو (بلا تشبیہ) خلیفہ بلافصل مزاج شناس نبوت جانشین رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام الاولین والآخرین خاتم النبیین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ اور یہ رائے ہے آپ کے ایک ہم عصر و رفیق درس حضرت میاں اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ کی جسکا اظہار انہوں نے "حیات شیخ الہند" میں کیا ہے۔

حضرت میاں صاحب، کوئی معمولی انسان نہ تھے وہ ایک مادرزاد ولی، علوم و اخلاق نبوت کے پیکر اور سلاسل اربعہ کے سلوک و تصوف کی عملی تفسیر تھے۔ ساتھ ہی وہ شیخ مدنی کے رفیق درس و ہم عصر بھی تھے ——— "معاصرانہ چشمک" کی حقیقت سے آگاہ دنیا ایک کی رائے دوسرے کے متعلق پڑھ کر جہاں اہل حق کی بے غرضی اور اعتراف حق کی قائل ہو جائے گی۔ وہاں دنیا یہ بھی تسلیم کرے گی کہ کسی کی واقعی خوبیوں کا اعتراف بڑے لوگوں کا کام ہے۔ میاں صاحب نے اپنے ساتھی کی "معراج" کا بڑی سادگی اور خلوص کے ساتھ اعتراف و اظہار فرمایا ہے۔ اور بلاشبہ یہ ایک اتنی وقیع رائے ہے۔ کہ اس کے بعد مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔

اگر میاں صاحب کے اس مختصر ارشاد کا سرسری تجزیہ کیا جائے۔ تو اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ شیخ الہند و شیخ الاسلام میں واقعی وہی نسبت ہے جو پیغمبر و جانشین پیغمبر میں!

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دعویٰ نبوۃ و رسالت کے ابتدائی مرحلوں میں بغیر کسی تحقیق تفحص آپ کو نبی برحق تسلیم کیا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بچہ تھے۔ اور آپ کی تربیت میں تھے۔ جناب زید علیہ الرضوان

غلام تھے۔ اور آپ کے جود و کرم کا مورد۔ سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ واقعہ تجارت سے متاثر ہو کر آپ کے حبالۂ عقد میں آئی تھیں اور اب اس واقعہ کو ۱۵ سال بیت چکے تھے، بیوی کی حیثیت سے انہوں نے آپ کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔ پھر ان کیلئے سب سے بڑی شہادت جناب ورقہ بن نوفل کی تھی۔۔۔ جنہوں نے کتب سماوی کی روشنی میں آپ کے نبی و رسول ہونے کی تصدیق کر کے جناب خدیجہ کیلئے سامان اطمینان فراہم کیا۔ لیکن جناب صدیق کسی طرح آپ کے زیر اثر نہ تھے۔ صاحب ثروت اور متمول انسان تھے۔ معاشرہ انکو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ رفاقت و خلت کا ثبوت البتہ موجود ہے۔ ایسے میں بلاچون وچرا آپ کو نبی برحق تسلیم کر لینا دراصل ازل سے مقدر شدہ لقب گرامی صدیق اکبر کا اپنے کو اہل ثابت کرنا نہیں تو اور کیا تھا؟

سفر معراج کے بعد آپ ہی کی ذات گرامی تھی جس نے تفصیلات دشمن کی زبان سے سنکر آمنا و صدقنا کہا اور یوں دشمن کے منہ پر زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ اس کے بعد دیکھیں جان سپاری اور سر فروشی کے باب میں جو سعادتیں صدیق کو میسر آئیں وہ کسی دوسرے کا مقدر کہاں؟ حلقۂ کفر کے نرغہ سے اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کہہ کر آپ کو کافروں سے چھڑانا، لیکن خود تختۂ مشق بن جانا اور ذرا سی ہوش کے بعد آپکو دیکھے بغیر دودھ پینے سے انکار کر دینا محض ایک واقعہ ہے۔ نہ معلوم اس قسم کے کتنے واقعات سے سیرت صدیق جگمگا رہی ہے۔

ہجرت کی رات اور پھر غار ثور میں قربانی و ایثار کا جو ریکارڈ آپ نے قائم کیا۔ چراغ رخ زیبا لیکر اسکی مثال تلاش کرو۔

اپنی محبوب بیٹی پیغمبر کے حبالہ عقد میں دیکر خاندانی تعلقات قائم کرنا اور محبوب خدا کے قلبی سکون کا سامان مہیا کرنے کی سعادت کسکو نصیب ہوئی۔؟ مال خرچ کرنے کا وقت آیا تو کون تھا جس نے اہل خانہ کیلئے خدا اور اس کے رسول کے نام پاک کی عظمت و برکت چھوڑ کر سب کچھ محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔؟ ۹ھ میں پیغمبر خدا نے ہزاروں پروانگان شمع رسالت کی موجودگی میں حج جیسے اہم ترین دینی و ملی فریضہ کی سربراہی کیلئے صدیق اکبر کو تو ہی چنا گیا۔ اور حیات مستعار کے آخری لمحات میں امامت صغریٰ (نماز) کیلئے جس قدسی الاصل کو مصلیٰ پر کھڑا کر کے بالواسطہ اسکی امامت کبریٰ (خلافت) کا اعلان کیا گیا تو وہ بھی صدیق اکبر ہی تھے۔ اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو عائشہ طاہرہ کے حجرہ میں محبوب کے قدموں سے سر لگا کر ابدی نیند سو کر رہتی دنیا تک، باہمی انس و محبت اور نسبت باطنی کی سعادت اسے نصیب ہوتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سیرت صدیق کی ان سرسری جھلکیوں کے بعد محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دو غلاموں اور سیدنا صدیق اکبر علیہ الرضوان کے دو خادموں کی سیرت پر اچٹتی سی نظر تو ڈالو، شیخ الہند و شیخ الاسلام کے تعلقات میں ایک طرف بزرگانہ شفقت اور اعتماد کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ تو دوسری طرف سرفروشی و امتثال امر کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں وہاں نبوت و صداقت کا معاملہ ہے ایک خاتم النبیین ہے، تو دوسرا افضل الصحابہ یہاں استاذ و شاگرد اور خادم و مخدوم کا تعلق ہے۔ محمد عربی اور محمود حسن میں وہی فرق ہے۔ جو نبی اور امتی میں ہوتا ہے۔ اور صدیق و حسین احمد میں وہی فرق ہے۔ جو صحابی و غیر صحابی میں لابدی ہے، لیکن سنن نبویہ اور عظمت صدیق کے پاسبانوں نے باہمی نسبت و تعلق کی جو روایات چھوڑیں ان پر جی جان سے مر مٹنا ہی سعادت ازلی کی دلیل ہے۔

ان اشارات کے بعد حضرت میاں اصغر حسین علیہ الرحمۃ کی رائے کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔ تو بہ تو میرے دل میں ہے، والی بات بن جائے گی ۔۔۔ ذرا اندازہ فرمائیں حسین احمد کو بچپن میں ہی مادر علمی دیوبند پہنچا دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الہند اس وقت صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہونے کے علاوہ مجموعی طور پر تعلیمی امور کی نگرانی کے تن تنہا ذمہ دار ہیں۔ ایسے میں چھوٹی کتابیں اور وہ بھی صرف ایک طالب علم کو پڑھانا سمجھ آنے والی بات نہیں۔ لیکن مادر علمی کے در و دیوار گواہ ہیں کہ حضرت الشیخ نے ہزار مصروفیتوں کے علی الرغم اس گوہر نایاب اور آئینہ صافی کو ابتدا ہی سے اپنی تربیت میں لے لیا۔ بسم اللہ خود کرائی صرف میر جیسی چھوٹی کتابیں خود پڑھائیں۔ حضرت مدنی کو سب سے زیادہ عرصہ آپ ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقعہ ملا۔ صرف و نحو اور منطق و فلسفہ سے لیکر حدیث و تفسیر تک ہر فن کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ استاد نے گھر کا فرد بنایا اور حسین احمد نے کمال سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے استاذ کے بیت الخلاء تک کی صفائی کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد نسبت باطنی کیلئے خادم عرض کرتا ہے تو مخدوم قصداً گنگوہ کا حکم دیتے بلاچون وچرا اس رشک جنت کیطرف چل دیتے ہیں۔ حضرت قطب گنگوہیؒ نے جس اعزاز سے آپ کو خلافت دی۔ وہ بقول مولانا عاشق الٰہی مرحوم (سیاسی مخالفت بھی ہیں) کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ (تذکرۃ الرشید)

پھر یہ سعادت بھی تو آپ ہی کے مقدر میں تھی کہ خانقاہ گنگوہ کے علاوہ ساقی گنگوہ کے حکم سے ہی امداد اللّٰہی گھاٹ پر آپ پہنچتے ہیں۔ اور وہاں بھی جام ہائے عشق و محبت سے سیرابی حاصل کرتے ہیں اور جب یہ دونوں ساقی (حضرت حاجی صاحب اور حضرت گنگوہیؒ) دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو بالآخر ان کی تنہائیوں میں نسبت اکابر کو پختہ تر کرنے کا موقعہ پھر شیخ الہندؒ کے قدموں میں ملتا ہے۔

——— اس صورت حال کے پیش نظر جامع مکاتیب مولانا نجم الدین اصلاحی کا یہ تجزیہ کتنا درست

ہے کہ :

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ذات حکمت قاسمی، زہد گنگوہی، فراست محمودی اور امداد اللٰہی عرفان کا وہ سنگم بنی ہوئی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کی پوری تاریخ کو زندہ کئے ہوئے تھی۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۴۳)

آپ کا قیام مدینہ میں بھی حضرت شیخ الہند کی اشارہ ابرو کے پیش نظر رہا۔ اس دوران ایک طرف آپ صاحب قبر انور، قاسم علوم و معارف سلام اللہ و صلاتہ علیہ کی زیارت سے بار بار مشرف ہو کر علوم والٰہی کی وہ منزلیں طے کرتے ہیں کہ باید و شاید (تفصیل نقش حیات میں ہے)

تو دوسری طرف اسی محبوب خدا کی نگاہ کرم گستر کے زیر نگران رہ کر قرآن و سنت کے علوم و معارف چار دانگ عالم میں پھیلاتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا یہ قیام حضرت شیخ الہندؒ کے اشارہٗ ابرو کا نتیجہ تھا۔ دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ دیوبند میں عصر کے بعد کی مجلس میں اساتذہ و طلبہ کی موجودگی میں حضرت الامام السید محمد انور شاہ علیہ الرحمۃ استاذ مکرم سے عرض کرتے ہیں کہ سید حسین احمد کو یہاں بلالیں۔ وہ دیوبند کے اہل ہیں اور دیوبند کو ان کی ضرورت ہے۔ وہاں کسی اور صاحب کو متعین فرما دیں، حضرت الاستاذ قدرے سکوت کے بعد فرماتے ہیں۔ محمد انور تم جانتے ہو، حسین احمد وہاں بہت اہم امور انجام دے رہے ہیں۔ حجاز کے مشہور شافعی مالکی اور حنبلی علماء شریک درس ہوتے ہیں محض مسلک حنفی پر اعتراض کرنے کیلئے حسین احمد تنہا سب کا جواب دیتے ہیں۔ اور کسی کے بس کا نہیں جتنا بڑا کام انجام دے سکے انہیں وہیں رہنے دو۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۲ روایت حضرت مولانا محمد جلیل شاگرد حضرت شیخ الہندؒ مدرس دارالعلوم)

خط کشیدہ الفاظ بہت کچھ بتا رہے ہیں۔ اور یہ بھی اندازہ فرمائیں کہ حضرت الامام سید محمد انور شاہ جن کے علم و فضل کی ایک دنیا معترف ہے۔ وہ کسطرح مقام مدنی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور حضرت استاذ کیا جواب دیتے ہیں۔ سید کاشمیری کا سوال اور استاذ مکرم کا جواب یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ حضرت کا قیام مدینہ طیبہ کس کے اشارہٗ ابرو کے صدقہ تھا۔؟ ــــــ اور شیخ مدنی قیام بطجار کے دوران جب دیوبند آکر حلقہٗ درس میں بیٹھتے ہیں تو استاذ مکرم کی کیا حالت تھی اس کا حال بھی حضرت میاں صاحب کی زبانی سنیں :

"اس سال حضرت نے درس حدیث میں خلاف عادت علوم و حقائق بیان فرمائے جو آپ کے (سید مدنی کے) مستقبل کی درخشانی کی تمہید اور جانشینی کے اشارے تھے۔ (الجمعیۃ صفحہ ۳۴)

اسی دوران ایک دن حضرت مدنی استاذ مکرم کے پاؤں دبا رہے تھے کہ میاں صاحب بھی حصول سعادت کی غرض سے شریک ہو گئے اور مسرت و انبساط کے عالم میں کہنے لگے آج ہم برابر ہو گئے۔ اس پر حضرت

شیخ الہندؒ نے جو کچھ فرمایا اسکو حضرت میاں صاحب سے سماعت فرمائیں :

"بھائی تم کہاں کہاں ان کی پیروی وبرابری کروگے۔"

—— ان لفظوں پہ میاں صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں اور مدنی کی خوش بختی وسعادت مندی پہ رشک کریں :

"اس وقت تو یہ ایک معمولی فقرہ سمجھا گیا۔ لیکن مولانا مدنی کا قیام مدینہ منورہ، پھر اپنی بیش قیمت آزادی کو قربان کر کے خوشی سے نظر بندی میں حضرت کی معیت اختیار کرنا، تمام سفر خصوصاً زندان قاہرہ اور اسیری مالٹا میں جاں نثاری اور خدمت کرنا کلمۃ الحق کے اعلان پہ زندان کراچی میں اسیر ہونا ..... بتلا رہا ہے کہ یہ ایک پر مغز کلام ہے۔ اور مولانا کی آئندہ شاندار دینی و قومی زندگی کیلئے ایک معنی خیز اشارہ خیر و برکت تھا۔ (حیات شیخ الھند ص ۹۹-۱۹۸ - یہ کتاب شیخ مدنی کی زندگی میں لکھی گئی -)

حضرت الاستاذ کا مختصر جملہ اور میاں صاحب کے نوٹس کئی دفتروں پر بھاری ہیں۔ اور ان کے بین السطور بہت کچھ پڑھا۔ اور دیکھا جا سکتا ہے۔ مقام مدنی کی رفعت کی اور کیا دلیل ہوگی۔؟ بلاشبہ جاں نثاری وجاں سپاری اور ایثار و قربانی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہو سکتی کہ بغیر وارنٹ ہنسی خوشی خدمت استاد کے جذبہ سے سوئے زندان جانا اور ۴ برس کا عرصہ پریشان کن سردی ساتھ دینا اور وہ بھی اس طرح کہ گرم پانی کے میسر نہ ہوتے پر شیخ کی علالت کے پیش نظر پانی کا لوٹا اپنے پیٹ سے لگا کر بیٹھ جانا اور اوپر کمبل سے لینا۔

کون سا شاگرد اور خادم ہے، جو بھرپور جوانی کے ۴ سال اس طرح گذارے اور یہ بھی تو ہے کہ ایسے عالم میں حضرت الاستاذ جب سحر کو اٹھ کر اس گرم پانی کے ساتھ وضو کرتے ہوں گے، جس میں حسین احمد کی حرارت جسمانی وافر مقدار میں شامل تھی، تو ان کے دل سے عزیز شاگرد کیلئے خیر و برکت کے کیا کیا کلمات زبان کے راستے عرش الٰہی تک نہ پہنچتے ہوں گے۔؟ ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

محمد عربی وضو کیلئے پانی کا لوٹا دیکھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے دست سوال دراز کر دیں تو وہ امام المفسرین بن جائیں۔ محمد عربی کا غلام (حضرت شیخ الہند) محمدی کے دوران ۴ سال شاگرد عزیز کی خدمت سے متمتع ہو تو شاگرد کیلئے خدا سے کچھ نہ مانگا ہوگا۔؟

مانگا اور وہ کچھ مانگا جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ زندگی اور زندگی کے بعد حسین احمد کو جو عزت ملی وہ استاد کے مانگنے کا ہی نتیجہ ہے۔

اسی مالٹا میں استاذ ترجمہ قرآن کی خدمت میں مشغول ہے۔ اور حسین احمد رفیق و معین ہے اور رمضان آتا ہے تو استاذ مکرم کے نحیف و نزار جسم پہ کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگتے ہیں،

شاگرد عزیز بتلایا جاتا ہے۔ کہ دیوبند میں حفاظ کے حلقے تھے، یہاں ایک بھی حافظ نہیں، استاذ مکرم کو قلق ہے۔ اور یہ آنسو اسی قلق کی ظاہری صورت ہیں۔

سعادت مند شاگرد آگے بیٹھ کر عرض کرتا ہے کہ حضرت دعا آپ فرمائیں، کوشش میں کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو ختم قرآن کے نہ ہونے کا شکوہ نہیں رہے گا۔ استاذ کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ وہ دست سوال دراز کرتا ہے۔ نہ معلوم اس وقت اس نے اپنے رب سے کیا مانگا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ غرۂ رمضان آیا تو کوئی حافظ نہ تھا۔ اور شوال کا ہلال افق عالم پر چمکا تو حسین احمد "حافظ" بن چکا تھا۔

داستان سرفروشی وجاں سپاری کو نامکمل وتشنہ چھوڑ دیں کہ اسے مکمل کرنا میرے بس کا نہیں۔ اب آئیں اور دیکھیں کہ آقا کو اپنے خادم پر کتنا اعتماد ہے۔ اور خادم مخدوم کے لبوں کی جنبش پر کسطرح آمادہ عمل ہیں۔

اسارت مالٹا کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کلکتہ میں دارالعلوم قائم کرتے ہیں۔ خواہش یہ ہے کہ صدارت حضرت شیخ الہندؒ قبول فرمالیں۔ مقاصد ملی کی خاطر شیخ کو انکار نہیں۔ لیکن علالت و نقاہت مانع ہے نتیجۃً اسی محبوب شاگرد کو اشارہ ہوتا ہے۔ وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ بقول حکیم عبدالجلیل مرحوم استاذ مکرم شاگرد عزیز کو رخصت کرنے لگے تو غایت ضعف کے سبب اٹھ نہ سکے، لیٹے لیٹے مدنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑا سر پر رکھا، چوما، آنکھوں سے لگایا۔ سارے بدن پر پھیرا (الجمعیۃ صفحہ ۹۶)

بتلائیں دنیا میں کسی استاذ نے شاگرد کے ساتھ شفقت و کرم کا یہ معاملہ کیا۔؟ ہاں اصل قصہ یہ ہے کہ ایسا شاگرد بھی تو کسی کو نہیں ملا۔ یہ سعادتیں مدنی کا مقدر تھیں۔ مولانا مدنی اشکبار آنکھوں سے رخصت ہو گئے۔ استاذ مکرم کی حالت کا احساس ایک طرف امتثال امر کا معاملہ دوسری طرف۔ چلے تو گئے تو حکم آتا تھا۔ لیکن کلکتہ پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ انا للہ.......

آخری لمحات کی خدمت سے محروم ہو گئے۔ آخری زیارت نصیب نہ ہوئی۔ جنازہ مقدر میں نہ تھا۔ لیکن کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملا کہ حسین احمد نے استاذ کا آخری حکم ٹالا! شاید اس لئے قدرت کو حسین احمد پہ پیار آگیا۔ اور اسے ہمیشہ کے لئے پہلوئے محمود میں لٹا دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ سے اسی نسبت و تعلق کا تو یہ صدقہ تھا کہ قاسمی ورشیدی میخانے سے سیراب ہونے والے سبھی اکابر واصاغر آپ کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے۔ چند شہادتیں ملاحظہ فرمائیں:-

شارح ابی داؤد مولانا خلیل احمد قدس سرہٗ سبق پڑھا رہے تھے۔ آپ گئے قرأت کرنے والے صاحب سے کتاب لیکر خود قرأت شروع کر دی۔ حضرت دیکھ کر مسکرا دیئے۔ (تذکرۃ الخلیل) اور بقول مولانا مفتی محمود احمد (مھوچھاونی) حضرت نانوتوی قدس سرہ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدث امروہی

کے حلقہ درس میں شیخ مدنی پہنچے تو بلا تکلف سوالات شروع کر دئے۔ حضرت امروہی نے بے ساختہ اور پیار بھرے لہجہ میں فرمایا:

"یہ مولوی محمود حسن (حضرۃ شیخ الہندؒ) کے یہاں کا بگڑا ہوا ہے۔" (الجمعیۃ صہ ۱۱۸)

اور حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے الحافظ محمد احمد علیہ الرحمۃ کی سستیں ۱۳۲۹ھ کے اجلاس دارالعلوم میں مدرسہ کی علمی ترقی زیر غور تھی حضرت حافظ صاحب نے فرمایا: مولوی محمد انور شاہ، مولوی محمد سہول، مولوی حسین احمد اور مولوی عبدالصمد کرت پوری (رحمہم اللہ) یہاں جمع ہو جائیں تو مدرسہ کی علمی ترقی اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔

(الجمعیۃ صہ ۴۸ روایت مولانا محمد قاسم بجنوری)

آخر قدرت نے حافظ صاحب کی خواہش پوری فرمائی، سبھی حضرات خدمت کے مقرر کردہ ٹائم ٹیبل کے وقت مدرسہ میں آئے اور علم و عرفان کو اوج ثریا تک پہنچایا۔ بالخصوص شیخ مدنی کا ۳۰ - ۳۵ سالہ دور علمی، مالی اور انتظامی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، پچھلے تین ادوار میں جتنے طلباء نے اس مادر علمی سے فیض حاصل کیا اس سے کہیں زیادہ حضرات نے حضرت آپ کے دور میں اپنی علمی پیاس بجھائی۔

حضرت مولانا محمد الیاس مرحوم (بانی تبلیغی جماعت) نے فرمایا ان کی سیاست میری سمجھ میں آجاتی تو پیچھے پیچھے دوڑا پھرتا، تاہم عنداللہ ان کے مقام سے واقف ہوں ان سے "سیاست میں اختلاف" کر کے دوزخ کی آگ خریدنا نہیں چاہتا۔ (روایت مولوی سعید میاں صاحب انصاری سہارنپوری صہ ۱۵۲)

اور شرعی دلائل کے پیش نظر آپ کے سیاسی مسلک سے اختلاف رکھنے کے باوصف حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

"مولانا مدنی کی مخالفت کرنے والوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔" (روایت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ صہ ۱۲۲)

یاد رہے کہ اختلاف و مخالفت میں فرق ہے۔ حضرت تھانوی کو حضرت سے اختلاف تھا جسکی پشت پر دلائل تھے، مخالفت نہ تھی، مخالفت کا رنگ دیکھنا ہو تو خوارج و شیعہ کی صحابہ دشمنی دیکھیں۔ اختلاف کو دیکھنا ہو۔ سیدنا علی و معاویہ علیہما الرضوان یا ائمہ مجتہدین کے اختلافات سامنے رکھیں۔ اور مسلم کے شارح علامہ عثمانی (حضرت مدنیؒ کے سب سے بڑے سیاسی حریف لیکن اللہ فی اللہ ہے کہ دنیوی مقاصد کے پیش نظر) فرماتے ہیں:

"بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں۔" (روایت حضرت الشیخ السید محمد یوسف بنوری صہ ۲۸)

امام الہند حضرت آزاد فرماتے ہیں :

"انہوں نے ملک کی جو خدمتیں کی ہیں ان کی بڑی قدر و قیمت ہے ۔ اور وہ اسقدر شاندار ہیں کہ ہم انہیں فراموش نہیں کر سکتے ۔۔۔ ان کی ذات محترم تھی ۔ ان کا انتقال قومی نقصان ہے ـــــ ۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

ان سرسری اور بے ربط واقعات کے بعد اس دعوٰی کے ثبوت میں کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین تھے ۔ تاہم اکابرین ملت اساطین امت اور ہم عصر حضرات کی کچھ شہادتیں جن میں جانشینیٔ شیخ الہندؒ کی صراحت ہے ، ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ ہمارے ایک بزرگ بحمدہ بقید حیات ہیں ، فرماتے ہیں کہ مولانا مدنی تھانہ بھون تشریف لائے ۔ حضرت تھانوی کا نظام العمل سامنے تھا ، اس کی رو سے ملنے کا وقت نہ تھا ۔ آپ مسجد میں لیٹ گئے ، لیکن حکیم الامت قدس سرہٗ کو پتہ چلا ، بھاگم بھاگ تشریف لائے ۔ فرمایا آپ نے کیا غضب کیا ، فرمایا آپ کا وقت نہ تھا ۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا وقت کی قیودات دوسروں کے لئے ہیں ، آپ کے لئے نہیں ۔ چنانچہ ہمراہ لے گئے اصرار سے اپنی مسند پہ بٹھایا ۔ اور فرمایا ـــــ " بھائی آپ تو میرے استاد کے جانشین ہیں " ـــــ مزید یہ کہ ایک تھان ململ کا منگوا کر نذر کیا ۔ حضرت شیخ الاسلام نے احتراماً سر پر رکھا ، چوما اور فرمایا حضرت آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ولائتی مال کا بائیکاٹ کر رکھا ہے ۔ اتنا ہی فرمایا تھے کہ مولانا تھانویؒ نے وہ واپس لیکر گاڑھے کا تھان بڑے گھر سے منگوا کر نذر کیا ۔ باہمی احترام کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے ۔ نیز جانشینیٔ شیخ الہندؒ کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا ؟

۲۔ حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خصوصی رفیق مالٹا ، مولانا عزیز گل متع اللہ تعالیٰ بطول حیاتہم نے اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کو "جانشین شیخ الہندؒ" لکھا (صفحہ ۱۱)

۳۔ حضرت العلامہ الشیخ عثمانی اپنے ایک خط میں آپ کو لکھتے ہیں ۔ (حضرت مدنی کے خط کا جواب لکھتے ہوئے) "رسیح یہ ہے کہ یہ مکتوب میرے نزدیک جناب محترم کی سیادت و شرافت اور جانشینی استاد مرحوم کا مرقع ہے ۔ آپ کے بزرگانہ اخلاق سے ہم نیازمند یہی توقع رکھتے ہیں فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ووفقنا وایاکم لما یحب ویرضیٰ ۔ انوار عثمانی صفحہ ۴۹ ۔

۴۔ خان عبدالغفار خاں صاحب جنہیں حضرت شیخ الہندؒ سے باقاعدہ بیعت کا شرف حاصل ہے ۔ اور جو بقول حضرت مدنی حضرت شیخ الہندؒ کے خصوصی تعلق والے تھے ۔ (نقش حیات) دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ تعزیت میں تشریف لائے اور فرمایا : "حضرت شیخ الاسلام

کے سانحہ ارتحال سے ہندوستان ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا۔ اور ہم سے حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین جدا ہوگئے۔ (صـ۱۰۹)

۵۔ مولانا خورشید عالم نگینوی فرماتے ہیں، کہ حضرت شیخ الہندؒ کے فراق سے مرجھائے ہوئے دلوں نے آپ کو جانشین شیخ الہندؒ کہہ کر اور سمجھ کر تازگی حاصل کی، مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد جب آپ کلکتہ سے دیوبند تشریف لائے۔ تو خلافت کمیٹی نے تعزیتی جلسہ میں آپ کو بطور جانشین شیخ الہندؒ متعارف کرایا۔ صـ۹۲

۶۔ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا محمد سہول بھاگلپوری نے فرمایا آپ جانشین شیخ الہندؒ ہیں۔ حضرت مدنیؒ نے جواباً فرمایا: معلوم نہیں آپ مجھے کیوں جانشین کہتے ہیں مجھ سے ہر حیثیت سے بڑے شاہ صاحب (کشمیری) اور مفتی صاحب (مفتی کفایت اللہ) ہیں ان کو جانشین کہنا چاہئے مولانا نے فرمایا زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ مسلمان آپ کو حضرت کا جانشین کہتے ہیں۔ لہذا آپ ہی جانشین ہیں صـ۱۴۱ روایت مولانا محمد عثمان غنی صاحب پھلواری شریف۔

قصہ تو یہی ہے کہ پروردگار عالم نے اس اعزاز کا آپ کیلئے فیصلہ کر دیا۔ بات ملائکہ کی وساطت سے انسانی قلوب تک پہنچی، مولانا محمد سہول نے اسی کی ترجمانی فرمائی۔

۷۔ مولانا مفتی محمود احمد محمود چھاؤنی نے بھی اسی انداز کی بات ارشاد فرمائی کہ حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال کے وقت سے ہی جانشین شیخ الہندؒ کے لقب کا نقارہ خدا سے آوازہ بلند ہوا۔ اور سب ائمہ وقت نے عملاً اس کا اعتراف فرمایا۔ (صـ۱۱۱)

۸۔ امیر امان اللہ خان مرحوم والیٔ افغانستان نے ایک خاص انداز کی بات فرمائی جس کے راوی حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں۔ شیخ الہندؒ ایک نور تھے تو شیخ الاسلام اس نور کی ضیا اور چمک! (صـ۱۴۲)

۹۔ اور خود قاری صاحب نے اپنے حکیمانہ انداز سے آپ کی جانشینی شیخ الہندؒ پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا نیز آپ کے سیاسی کام کی نوعیت کو بڑے پیارے انداز سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا۔

"۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم کی ابتدائی کڑی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی، جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا درمیانی کڑی حضرت شیخ الہندؒ تھے جنہوں نے اسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی حضرت شیخ الاسلام تھے جنہوں نے اسے انتہا کو پہنچایا اور اسطرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک سو برس کے عرصہ میں اس تحریک کا ایک دور مکمل ہو کر ختم ہوگیا۔۔۔۔۔۔ آپ اس

سلسلے میں (سیاسی رہنمائی اور انقلابی قیادت) حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کے تاریخی سیاسی فلسفہ اور حکمت کے امین اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن قدس سرہ کے جوش عمل کے علمبردار تھے، جس سے آپ کو پوری قوم نے جانشین شیخ الہندؒ تسلیم کیا۔ اور آخرکار شیخ الہندؒ کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ ۔ ۔ ۔ بہرحال حضرت شیخ کی مساعی کا مرکز ملک کی آزادی، ایشیا کی آزادی، مشرق کی آزادی اور آخرکار انسانیت و اخلاق کی آزادی تھی۔ یہ نظریہ ان کا عقیدہ تھا۔ جو انہیں وراثت میں ان کے شیوخ سے ہاتھ آیا تھا۔ اور وہ اس پر یقین رکھتے کہ مغرب کی ان مادی طاقتوں کی برقراری کی صورت میں اخلاقی قوتیں اور انسانیت کی جوہری قدریں کبھی نہیں ابھر سکتیں ص ۱۴-۱۳

حضرت قاری صاحب نے آپ کو شیخ الہندؒ کے ساتھ حکمت قاسمی کا امین بھی قرار دیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی بلکہ آپ سے بھی پہلے حکیم الامت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی تھی اسکی آخری کڑی آپ تھے اور اس طرح حضرت شیخ الہند کے بالخصوص اور باقی اکابر کے بالعموم جانشین آپ تھے۔

علامہ انور صابری نے کتنے پتہ کی بات کہی ہے ؎

ولی اللہ نے لکھا تھا حرفِ اولیں جس کا   مکمل ہو گئی وہ حریت کی داستاں تجھ پر

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ بعض عجیب مناسبتیں بھی آپ کو نصیب ہوئیں۔ مثلاً حضرت قاسم العلوم نے آخری وقت پھلوں کی خواہش ظاہر کی تو لکھنؤ سے خربوزے منگوائے گئے۔ آپ نے آخری وقت سردے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ نیز یہ کہ دونوں بزرگوں کا انتقال جمادی الآخر کے مہینہ میں جمعرات کے دن ظہر کی نماز کے بعد ہوا۔ ان کے علاوہ حکمتِ قاسمی کا امین اور شیخ الہندؒ کے جوشِ عمل کا علمبردار ہونے کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ دیوبند کے اس رشکِ جناں خطہ (مقبرہ قاسمی) میں آپ کو اپنے دونوں شیوخ (شیخ اور شیخ الشیخ) کے ساتھ دائمی آرام کا موقع نصیب ہوا۔

چند شعراء کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں، یہاں بھی جانشینی والی بات مختلف زاویوں سے کہی گئی ہے۔

علامہ انور صابری صاحب فرماتے ہیں ؎

شریکِ سلسلہ کارِ خدمتِ محمودؒ   انیسِ خلوتِ زندانِ کلفت و آلام

بصر ٹونکی فرماتے ہیں۔ (تاریخ ہائے وفات سمیت) ؎

پرتو مولانا گنگوہی فقید و پیشوا ئے   نقشِ شیخ الہند محمود الحسن زیبِ ارم
۱۳۷۷ھ   ۱۹۵۷ء

مولانا احمد اللہ استاذ حدیث راندھیر کے دلی جذبات ملاحظہ فرمائیں ۔

جانشین شیخ ہند وہ مردِ میداں اب کہاں — وہ سیاست کا نگین وہ ماہِ تاباں اب کہاں
اس زمانے کا غزالی فضلِ یزداں اب کہاں — قاسم و محمود کا وہ رازِ پنہاں اب کہاں

حکیم دانش دہلوی کا قول حق ۔

وہ جس کو شیخ محمود الحسن کا جانشیں کہئے — بزرگانِ سلف کی یادگار آخریں کہئے

جناب خان عبدالجلیل ۔ وہ ایاز شیخ محمود الحسن ۔ سے شیخ الہند و شیخ الاسلام کے تعلقات واضح کرتے ہیں۔

اور ایک صاحب نے یوں گرہ لگائی ۔

وہ جس کی ذات امداد و رشیدی فیض کا سنگم — وہ جس کے روپ میں محمود و قاسم بے نقاب آیا
بلائے ہند کے بچھڑے ہوؤں کو جس کے اغوا نے — جو شیخ الہند محمود الحسنؒ کے ہم رکاب آیا

حرفِ آخر :۔ کراچی جیل سے رہائی کے بعد بنگال کونسل کے ایک ممبر نے چالیس ہزار روپیہ نقد اور پانچ سو روپیہ ماہانہ کی نوکری بطور پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی کی پیشکش کی حضرت نے پوچھا کام کیا ہوگا؟ اس نے کہا کچھ نہیں بس تحریکات میں حصہ نہ لیں خاموش رہیں۔ آپ نے فرمایا جس راستہ پر حضرت شیخ الہندؒ لگا گئے اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ صہ ۱۵۲

اس کے ساتھ ہی جانشین پیغمبر سیدنا صدیق اکبر کی سیرت کا وہ واقعہ دیکھیں کہ حضور علیہ السلام لشکر اسامہؓ کی روانگی کا اہتمام فرماتے ہیں۔ لیکن آپ کا سانحہ ارتحال پیش آتا ہے۔ صدیق اکبر خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ اس لشکر کا اہتمام فرماتے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر بعض صحابہ اس لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے یا کم از کم قائد لشکر تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن معلوم ہے کہ جانشین رسول نے کیا فرمایا۔ جس کام کو کرنے کا ارادہ میرے پیغمبر نے کیا اس کے ملتوی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا چنانچہ لشکر بھیجا اور تھوڑی دیر ساتھ چل کر ہدایات دیں۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت میاں صاحب کی رائے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ دیں کہ جانشینی شیخ الہندؒ کا حق سید حسین احمد نے ادا کیا یا نہیں ـــــ ؟

قادر بخش صاحب نمائندہ فجی مسلم یوتھ آرگنائزیشن

فتنۂ قادیانیت

اور

ہمارے فرائض

چند مفید اور قابل غور تجاویز

کچھ عرصہ قبل میں نے آپ کے رسالہ الحق کو ایک مضمون جزائر فجی کے بارے میں لکھا تھا جس میں میں نے قادیانیوں کے متعلق بھی تحریر کیا تھا۔ کہ ان کی جزائر فجی میں کیا سرگرمیاں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ قادیانیوں کی عالمی سطح پر موجودہ حالات میں سرگرمیوں پر اچھی طرح نظر رکھتے ہوں گے۔ میرے خیال میں ان کی کامیابی مندرجہ ذیل وجوہات پر ہے۔

۱۔ مسلمانوں میں اسلام کی تعلیمات کا فقدان ہونا۔

۲۔ مسلمانوں کا قادیانیت اور غرض وغائت اور اس کے متعلق صحیح معلومات سے محروم ہونا۔

۳۔ قادیانیوں کا اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار کہنا اور قرآن کو دنیا کی مختلف زبانوں میں اپنی مرضی کے مطابق معنی دیکر اس کی بہت زیادہ اشاعت کرنا۔

۴۔ قادیانیوں کو نامعلوم ذرائع سے کثیر تعداد میں مالی امداد کا ملنا اور منظم طرز پر اپنے مشن کو پھیلانا۔

۵۔ قادیانیوں کے مرکز ربوہ سے کام کیلئے کارکنان کو ہدایات کا ملنا اور باقاعدہ مرکز سے رابطہ قائم ہونا۔

مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبلیغی جماعت اور مجلس تحفظ ختم نبوت عالمی سطح پر ان اسلام دشمن لوگوں کا مکمل طور پہ مقابلہ نہیں کر سکیں۔ اگرچہ اس ملک میں کچھ رکاوٹ کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہاں دوسری اسلامی اور سیاسی جماعتیں منظم طور پہ کام بھی نہیں کر رہی ہیں۔ وہاں وہ خاص طور پہ مسلمانوں میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ جن کے متعلق بھی انہیں توجہ کرنی چاہیئے۔ الحمدللہ یہ بات باعث مسرت ہے کہ وزارت اوقاف حکومت کویت نے قرآن کریم کا مختلف زبانوں میں صحیح ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو کہ امید ہے کہ قادیانیوں کے جھوٹے ترجمہ کا عالمی سطح پہ تردد کا باعث بنے گا۔ اس سلسلے میں کچھ مخلصانہ تجاویز اور مشورے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ہمیں بھی کسی طرح مکمل طور پہ عالمی

سطح پر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

۱۔ بین الاقوامی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا قیام جس کی کم ازکم مندرجہ ذیل غرض وغائت ہونی چاہیئے۔

د۔ دنیا میں اسلام دشمن تنظیموں کے متعلق مکمل معلومات کا اکٹھا کرنا۔

ب۔ اسلام کے خلاف لٹریچر کا موثر طور پر جواب دینا۔

ج۔ اردو اور عربی کے خاص اور بہترین مضامین کا انگریزی میں ترجمہ کرنا اور خاص طور پر وہ مضامین جو قادیانیوں کے خلاف لکھے گئے ہیں۔

۲۔ عالمی مرکز اسلامی کا قیام :۔ اس کے مندرجہ ذیل مقاصد ہونے چاہئیں :۔

د۔ یہ ادارہ مسلم اقلیت کے طلباء کیلئے مخصوص ہونا چاہیئے۔

ب۔ یہ ایسے علماء کو پیدا کرے جو اسلام کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہوں۔ اور اسلام کا دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بہتر ہونا اچھی طرح جانتے ہوں۔

ج۔ کسی ایک خاص علاقہ کی زبان کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ بیرونی طلباء وطن واپس جاکر احسن طریقہ سے تبلیغ کا کام سرانجام دے سکیں۔ خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی وغیرہ وغیرہ

د۔ اس ادارے کا اور اسکی حاصل شدہ اسناد کا گورنمنٹ پاکستان کا منظور شدہ ہونا ضروری ہے۔ تاکہ فارغ التحصیل لوگ جہاں بھی جائیں ان کو کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

س۔ اپنی مالی حالت کو سدھارنے کیلئے فارغ التحصیل طلباء کا جدید تعلیم کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے

س۔ اس ادارے کو ملکی سیاست اور فرقہ بندی سے بھی پاک ہونا چاہیئے تاکہ اس کی مخالفت کا کوئی جواز پیدا نہ ہو سکے۔

بین الاقوامی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا قیام اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں جو اس فتنہ عظیم کی تحقیقات کیلئے کام کر رہا ہو۔ اب پاکستان کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ قادیانی سرگرمیوں کے خلاف کوئی پرچہ نکالا جا سکے۔ اس لئے کم ازکم یہ تو ہونا چاہیئے کہ انگریزی میں ترجمہ شدہ مضامین کو ایک رسالہ کی شکل میں ہر ملک میں بھیجا جائے۔ عالمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کام کو جلد از جلد ریٹائرڈ تعلیم یافتہ افراد کی مدد سے سرانجام دیا جائے۔ مثلاً ریٹائرڈ استاد۔ وکلاء مجسٹریٹ اور جج اور سرکاری ملازمین وغیرہ۔ یہ دونوں ادارے اکٹھے ایک مقام پر قائم کئے جائیں تاکہ ان کی نگرانی میں آسانی رہے۔ جو اساتذہ پڑھانے کا کام سرانجام دیں وہ آسانی سے

تحقیقاتی کام میں بھی مدد کر سکیں۔

اس قسم کے ادارے کا قیام اسلام آباد یا راولپنڈی میں ہونا چاہئے۔ تاکہ بیرونی ممالک سے آنیوالے طلباء کو اپنے سفارتخانہ سے رابطہ پیدا کرنے میں آسانی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعلیٰ جدید تعلیم اور مختلف مذاہب کا موازنہ اور کسی ایک مخصوص زبان میں تعلیم اسلام آباد یونیورسٹی سے حاصل کی جائے۔ کیونکہ قومی یونیورسٹی ہونے کی حیثیت سے اسکی ہر ڈگری قومی سطح پہ منظور ہوگی۔ اور سیاسی لحاظ سے غیر ممالک بھی اس کو جلدی قبول کریں گے۔ اس کیلئے ابتدائی کام دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور میں کیا جائے۔ اور پھر مکمل سہولتیں مہیا ہونے کے بعد اسے اسلام آباد یا راولپنڈی میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

پروگرام کے مطابق ہر غیر ملک مسلم اقلیت کے دو دو طلباء بیک وقت اس ادارے سے تعلیم حاصل کریں۔ اور پھر اس نصب العین کے مطابق اپنے اپنے وطن میں ذیلی ادارے کھولیں۔ اور وہاں لوگوں کو دینی تعلیم سے آگاہ کریں تاکہ ان لوگوں میں اس بین الاقوامی ادارے کی اعلیٰ تعلیم کیلئے تیار کیا جا سکے۔ جہاں پہ جو بھی طلباء آئیں گے وہ تین اقسام کے ہوں گے۔

۱۔ وہ خود تعلیم کا خرچ برداشت کریں گے۔　۲۔ یا وہ مسلمان تنظیم کیطرف سے آئیں گے۔

۳۔ یا اس ادارے کو وظائف مہیا کرنے پڑیں گے۔

جس قسم کے بھی طلباء آئیں، حتی الامکان کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ مسلم تنظیم کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنے آئیں تاکہ اس مقدس کام کو سرانجام دینے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

مجھے معلوم ہے آپ کو اس سلسلے میں مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے اس مسئلے کو آپ بڑے بڑے کارخانہ داروں اور مل مالکان سے رابطہ پیدا کر کے حل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بعض لوگ اس لئے امداد کریں گے کہ آپ دین حق کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور بعض اس لئے دیں گے کہ ان کی اور ان کے کارخانہ کی غیر ممالک میں شہرت ہو۔ امید ہے اس کام کو شروع کرنے کے بعد آپ کو اسلامی سیکرٹریٹ (جدہ) اور بعض مسلم ممالک کی طرف سے مالی امداد اور عربی اور تجوید پڑھانے کیلئے اساتذہ بھی ملیں گے۔ کیونکہ مسلم اقلیت کی حالت کا مطالعہ کرنے کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ عالمی سطح پر اس وقت مسلم اقلیت کی اس طرح کے ادارہ ہی کے ذریعے سے زیادہ امداد کی جا سکتی ہے۔ مجھے امید ہے آپ اس مقدس کام کو دوسرے اپنے مکتبۂ فکر کے علماء کرام کی مدد سے عملی جامہ پہنائیں گے۔

اس ضمن میں احقر غیر ممالک میں مسلم تنظیموں کی معلومات آپ کو مہیا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس فریضہ کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور امید ہے کہ آپ بندہ کو اپنے خیالات سے جلد از جلد آگاہ کریں گے۔

اختر راہی ایم۔ اے (سیاسیات، تاریخ)

دار العلوم دیوبند

ایک انگریز کے تاثرات

۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو لاہور میں ڈاکٹر لائیٹنر کی صدارت میں "انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب" بنائی گئی۔ انجمن کے مقاصد میں قدیم مشرقی علوم کا احیاء اور دیسی زبانوں کی ترقی کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ انجمن کے مقاصد اور نظریات عام کرنے کے لئے رسالہ "انجمن پنجاب" جاری کیا گیا۔ بعد ازاں انجمن نے ایک دوسرا پرچہ "اخبار انجمن پنجاب" (ہفت روزہ) ۱۸۷۰ء میں جاری کیا۔ ہفت روزہ کے ایڈیٹر پیرزادہ محمد حسین اور ایچ۔ آئی۔ میکلوڈ فیلو پنجاب یونیورسٹی تھے۔

"اخبار انجمن پنجاب" میں انجمن کی خبریں شائع ہونے کے علاوہ برّصغیر کے دوسرے علمی اداروں کی خبریں بھی چھپتی تھیں۔ دار العلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ / ۳۱ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعرات رکھی گئی۔ اس تقریب میں بہت سے اللہ والے شریک ہوئے۔ اور دار العلوم دیوبند کی موجودہ عالیشان عمارت کے متصل جنوب کیطرف مسجد چھتہ میں درخت کے سائے تلے اس عظیم تاریخی درس گاہ کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے معلم حضرت ملا محمودؒ اور اولین متعلم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تھے۔

دار العلوم کی تعلیم کیسی تھی۔؟ نظام دار العلوم کیسا تھا۔؟ ایک انگریز پامر کلارک (PALMER CLARK) کے چشم دید حالات اور تاثرات سے معلوم ہوتا ہے۔ پامر کلارک گورنر یو۔ پی کا معتمد شخص تھا اور وہ گورنر کے ایماء پر ہی مدرسے کے حالات دیکھنے گیا تھا۔ "اخبار انجمن پنجاب" کی اشاعت مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء سے رپورٹ درج ہے۔ (اختر راہی)

بندہ بوجہ خدمت ہمراہ لشکر ظفر پیکر نواب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی دورہ میں ہے۔ ۳۰ جنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند ضلع سہارنپور میں قیام ہوا۔ اور ۳۱ جنوری کو بوجہ یک شنبہ قیام۔ حسب الارشاد گرد جانے سے فراغت پاچکا تو میرے آقائے نعمت نے مجھ کو الگ لے جا کر یہ فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے

جہاں محمدیوں نے ایک مدرسہ اسلامی خلاف سرکار جاری کیا ہے۔ تو اجنبیانہ مدرسہ میں جاکر حال تو دریافت کروں کہ کیا کیا تعلیم ہوتی ہے۔ اور مسلمان لوگ کس فکر و ذکر میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ فوراً آبادی میں گیا، ایک قصبہ پایا، نہایت صاف، باشندے خلیق و نیک مگر غریب زدہ حال، پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں گیا۔ اول ایک بہت بڑے کمرے میں دیکھا کہ چٹائیوں کے فرش پر چھوٹے چھوٹے لڑکے کئی درجن کتابیں آگے رکھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا "اے بھائی لڑکو تمہارا استاد کون ہے۔ ایک نے اشارہ سے بتلایا۔ معلوم ہوا کہ جو درمیان میں بیٹھا ہے۔ وہی استاد ہے۔ مجھ کو تعجب آیا کہ یہ کیا استاد ہوگا۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے مجھ کو مسلمان سمجھ کر وعلیکم السلام کہا۔ میں نے پوچھا استاد صاحب آپ کے لڑکے کیا کیا پڑھتے ہیں۔ ؟ جواب دیا کہ جملہ کتب فارسیہ ــــ بعدہٗ میں اندر مکان کے گیا تو دیکھا کہ ایک دالان میں ایک مولوی صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہیں۔ اور ان کے سامنے ایک قطار بڑے بڑے طالب علموں کی بیٹھی ہے۔ اول مجھ کو دیکھ کر ہنسی آئی مگر کان جو لگائے تو علم مثلث[1] کی بحث ہو رہی ہے۔ پھر تو میں رہ نہ سکا۔ اور آگے بڑھا اور منتظر رہا کہ میری اجنبی صورت اور اجنبی لباس دیکھ کر یہ لوگ چونکیں گے۔ مگر اصلاً کسی کو خبر نہ ہوئی اور کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کون ہے اور کہاں سے آیا۔ پھر تو میں بیٹھ گیا۔ واللہ مولوی صاحب کی جو تقریر سنی تو عجیب عجیب قاعدے مثلث کے بیان کر رہے تھے۔ جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر[2] صاحب ــــــــ اور

---

[1] TRIGNOMETRY

[2] مشہور مستشرق آلویز سپرنگر (ALOYS SPRENGER) ۳ ستمبر ۱۸۱۳ء کو نسرایٹ (NUSSERIT) میں پیدا ہوا۔ طب اور مشرقی زبانوں کی تعلیم ویانا میں حاصل کی۔ ۱۸۴۱ء میں طب کی اعلیٰ ترین ڈگری لائڈن یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اس عرصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کی خدمات حاصل کیں اور ۱۸۴۳ء میں کلکتہ آگیا۔ ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوا۔ اور ۱۸۴۸ء تک اسی عہدے پر فائز رہا۔ کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر لکھنؤ چلا گیا۔ لکھنؤ میں شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست تیار کی ــــ ۱۸۵۱ء میں سپرنگر لکھنؤ سے کلکتہ چلا گیا۔ اور مدرسہ عالیہ کا پرنسپل رہا۔ ۱۸۵۷ء میں سپرنگر ہندوستان سے واپس وطن چلا گیا۔ بون یونیورسٹی میں اردو کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۸۱ء میں ہائیڈبرگ آگیا۔ اور ۱۸۹۳ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور گلستان سعدی کا ترجمہ بہت مشہور ہے۔

☆ ☆ ☆

ماسٹر رامچندر[۱] صاحب سے بھی نہیں سنے تھے۔ وہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے ایک دالان میں، طالب علم میلے میلے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں مگر آواز نہیں آتی۔ میں اس نظر سے اور بھی آگے بڑھا کہ آیا کچھ بولتے ہیں یا نہیں۔ رفتہ رفتہ میں ایک کونے میں جا لگا۔ تو وہاں ایک عجیب کیفیت تھی۔ چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلاف بیان ہو رہے تھے۔ اور ایسے بے تکلف بیان کر رہے تھے کہ گویا اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے۔ میں منہ تکتا رہ گیا اس کے بعد جبر و مقابلہ میں سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا سخت مشکل سوال طلباء سے پوچھا کہ مجھ کو بھی اپنی حساب دانی ایم اے پر بڑا گھمنڈ تھا۔ مگر میں حیران رہ گیا۔ بعض نے جواب صحیح دیا۔ وہاں سے میں اٹھ کر تیسرے دالان میں گیا تو ایک مولوی صاحب حدیث کی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے اور طالب علم ہنس ہنس کر تقریر کر رہے تھے۔ وہاں سے میں ایک زینہ پر ہو کر بالاخانہ پر گیا۔ تو اس کے تین طرف مکان مکلف تھے۔ ایک چھوٹی سی صحنچی میں دو اندھے بیٹھے گڑبڑا رہے تھے۔ میں دبے پاؤں ان کے پاس گیا۔ معلوم ہوا کہ علم ہئیت کی کسی کتاب کا سبق یاد کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا کہ بھائی کل سبق کے شروع میں شکل معروضی میری سمجھ میں خوب نہیں آئی اگر تیری سمجھ میں آگئی ہو تو بتلادے۔ دوسرے اندھے نے دعوٰی بیان کیا۔ اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا۔ اور پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا۔

سر سید نگر صاحب مرحوم پرنسپل کی تقریر کا سارا روپ میری آنکھوں میں سما گیا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک بچدرہ میں گیا تو وہاں چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں صرف و نحو کی کتابیں کمال ادب سے استاد کے آگے بیٹھی پڑھ رہی ہیں۔ پھر تیسرے درجہ میں گیا وہاں علم منقول کا درس ہو رہا تھا۔ وہاں سے دوسرے زینہ کو اترا، باہر مدرسہ کے آیا۔ اور ایک سے پوچھا کہ بس مدرسہ اسی مکان میں ہے۔ وہ بولا نہیں صاحب قرآن شریف اور مکان میں پڑھایا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہاں ہے۔ وہ مجھ کو ساتھ لے گیا۔ ایک مسجد کے گوشے میں ایک دالان ہے۔ اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔

---

[۱] ماسٹر رامچندر دہلی کالج میں علوم انگریزی و ریاضی کے استاد تھے۔ ۱۸۵۲ء کو ہندو مت چھوڑ کر عیسائی ہو گیا۔ اور اسلام کی مخالفت میں اس انداز سے پروپیگنڈہ کرنے لگا۔ جو عیسائی مشنریوں کیلئے مخصوص تھا۔ اس نے "اعجاز قرآن" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ مسلمان علماء نے ماسٹر صاحب کو دندان شکن جواب دئیے۔

اور ایک حافظ نابینا ایک کونے میں بیٹھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے پوچھا کہ اخباروں میں دیکھتا تھا۔ کہ سالِ گذشتہ میں چار طالب علموں کو دستار فضیلت بندھی تھی۔ بھلا کوئی ان میں سے ہے۔ وہ بولے کہ ہاں ایک ہیں، چلو تم کو ملا لاؤں۔ ایک مکان میں لے گئے جہاں ایک نوجوان شخص بیٹھا ہے ۔ اور سامنے ایک موٹی سی کتاب کھلی رکھی ہے۔ اور ایک طرف دو بندوقیں دونالی کی اور ایک طرف دس بارہ طالب علم بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے کمال اخلاق سے میرا سلام لیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ ہی کو دستارِ فضیلت بندھی ہے۔ نہایت ادب سے کہا کہ ہاں استادوں کی عنایت ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون سی کتاب ہے۔ کہا کہ ایک عربی کی بڑے فن میں ہے۔ ایک مہتمم مطبع نے واسطے ترجمے کے بھیجی ہے۔ اور اس کی اجرت ایک ہزار روپیہ ٹھہری ہے۔ مجھ کو ترجمہ کرتے تین مہینے ہوئے۔ تین ثلث ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ باقی ایک مہینہ میں پورا ہو جائے گا۔ پھر میں نے پوچھا کہ صاحب بندوق کیسی ہے۔ کہا مجھ کو شکار کا شوق ہے۔ سات بجے سے دس بجے تک پڑھاتا ہوں۔ اور گیارہ بجے سے ایک بجے تک شکار کھیلتا ہوں۔ اور دو بجے سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔

میں نے پوچھا کہ آپ نوکری کیوں نہیں کرتے کہا کہ حضرت بیٹھے بٹھائے خدا ڈھائی سو روپیہ مہینہ دیتا ہے۔ پھر کس واسطے نوکری کروں۔ میں نے وہاں سے اٹھ کر ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی مدرسہ کا کتب خانہ بھی ہے۔ اسی نے کہا ہاں! اس طرف کو چلے جاؤ۔ میں وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ایک مختصر سا مکان سارا سر سے پاؤں تک الماریوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور کتابیں اٹاکٹ بھری ہیں۔ اور ایک منشی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے مجھے بوڑھا سمجھ کر بہت آؤ بھگت کی اور ایک فہرست کتب خانہ کی میرے سامنے کردی، اس کے دیکھنے سے میری آنکھیں کھلیں کہ کوئی فن بھی ایسا نہیں ہے جس کی کتاب موجود نہ ہو۔ پہلے دوسری کتاب میرے آگے سرکائی وہ رجسٹر حاضری طلبہ مدرسہ کا تھا۔ کمال خوشخط اور صاف اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ منجملہ دو سو دس طلبہ کے آج ایک سو آٹھ حاضر تھے۔ بعدہٗ ایک سبزہ رنگ آدمی آئے اور السلام علیک کرکے بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا آپ کی تعریف؟ کہا میں مہتمم ہوں اور اسی وقت تین بڑے بڑے رجسٹر میرے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ اس سال کے جمع و خرچ کا حساب ہے۔ ملاحظہ کرو۔ میں نے جو ایک کتاب کھول کر دیکھی تو اس میں نہایت صحت کے ساتھ تاریخ وار حساب لکھا تھا۔ اور گوشوارہ سے یہ ثابت ہوا کہ اخیر سال پر بعد خرچ کے بہت کچھ روپیہ باقی رہا۔ طبیعت نے یہ چاہا کہ بعض کتب کی سیر کروں مگر وقت تنگ، شام ہونے کو تھی۔ وہاں سے اٹھ کر شکمہ میں آیا کہ دیکھا آقائے نعمت منتظر تھے۔ دور سے دیکھ کر مسکرائے اور بولے دل پامر خبر

میں بولا خیر کیا۔ اخبار کرسی لو اور بیٹھو اور سنو۔ میں بولا صاحب کیفیت کیا عرض کروں بہت طول طویل ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے۔ وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ سے کرتا ہے۔ وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے ۔۔۔۔ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن و سلیم الطبع ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔ کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تعلیم نہ ہوتا ہو۔ صاحب مسلمانوں کے لئے تو اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی۔ اور میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو خالی نفع سے نہیں۔ اسے صاحب سنا کرتے تھے کہ ولایت انگلستان میں اندھوں کا مدرسہ ہے۔ یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اندھے "تحریر اقلیدس" کی شکلیں کف دست پر ایسی ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید ۔۔۔۔۔۔

■■

مولانا محمد سرفراز خان صفدر

ختم نبوت اور محمد قاسم نانوتوی رح

ایک بے بنیاد الزام اور بہتان کی حقیقت

اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔
(حضرت نانوتوی رح)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح علمی اور تحقیقی طور پر مسئلہ ختم نبوت پر بحث کرتے ہوئے محدثانہ، فقیہانہ اور متکلمانہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر منطقیانہ انداز میں ٹھوس دلائل اور واضح براہین کیساتھ امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت کے تین درجات اور مراتب ہیں۔ ۱۔ ختم نبوۃ مرتبی، ۲۔ ختم نبوت مکانی اور ۳۔ ختم نبوۃ زمانی اور باقی دو درجوں اور مرتبوں کو تسلیم کرتے ہوئے مولانا موصوف رح یہ فرماتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ درجہ اور رتبہ ختم نبوت مرتبی ہے جو ختم نبوت زمانی کے لئے علت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنیٰ خاتم النبیین ہیں کہ نبوت کے تمام درجات و مراتب اور کمالات آپ پر ختم ہیں۔ اور ساری کائنات میں آپ کے اوپر کسی اور کا درجہ نہیں ہے۔ ہاں آپ کے اوپر صرف خالق کائنات کا درجہ ہے جل مجدہٗ اور بس۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تینوں مراتب اور درجات دلیل مطابقی کے طور پر ثابت ہیں نہ یہ کہ صرف ختم نبوت زمانی ہی مطابقی طور پر ثابت ہے۔ جیسا کہ عوام آپ کی ختم نبوت زمانی ہی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس سے آپ کی پوری فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو نبوت مرتبی کے لئے معلول اور ختم نبوت مرتبی علت ہے تو یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ علت تو مطابقی نہ ہو اور معلول مطابقی ہو، وہاں ان تین درجات و مراتب میں سے اگر ایک مراد لی جائے تو لفظ خاتم النبیین

ختم نبوت مرتبی پر دلیل مطابقی کے طور پر دلالت کرتا ہے۔ اور ختم نبوت زمانی کا ثبوت دلیل التزامی سے محقق ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ ہو تو ہرگز نہیں سکتا۔ لیکن اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں کوئی اور نبی آجائے یا فرض کیجئے کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی پیدا ہو جائے۔ اور اسکو نبوت مل جائے۔ تب بھی آپ کی ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑتی اس لئے کہ نبوت کا ہر مرتبہ آپ پر ختم ہے۔ لہٰذا کوئی آپ سے پہلے آئے یا بعد کو آئے آپ کی ختم نبوت پر ہرگز کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن یہ تو محض ختم نبوت مرتبی کے درجہ اور مرتبہ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے ایک تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ ورنہ آپ کی ختم نبوت زمانی کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے۔ جیسا کہ فرائض اور وتر وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو اس میں تامل کرے وہ بھی کافر ہے۔ یہ حضرت نانوتویؒ کی ان متعدد عبارات کا خلاصہ ہے۔ جو انہوں نے مختلف کتابوں میں اور بعض تحذیر الناس میں تحریر فرمائی ہیں۔ چند ضروری عبارات ہم یہاں عرض کرتے ہیں غور فرمائیں اور اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب بانیٔ دارالعلوم دیوبند میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ خاتمیت زمانی اپنا دین ایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں، سو اگر ایسی باتیں جائز ہوں تو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے، اس تہمت کے جواب میں ہم آپ پر اور آپ کے اہل ملت پر ہزار تہمتیں لگا سکتے ہیں۔ الخ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)

اس عبارت میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے ختم نبوت زمانی کو اپنا دین و ایمان قرار دیا ہے۔ اور اس کے برعکس عقیدہ کی ان کی طرف نسبت کو ناحق تہمت کہا ہے۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مولانا نانوتویؒ کو ختم نبوت زمانی کا منکر قرار دیا ہے۔ وہ ان پر ناحق کی تہمت لگا رہے ہیں۔ اور بے بنیاد بہتان باندھ رہے ہیں جس سے مولانا موصوفؒ کا دامن بالکل پاک ہے یہ الگ بات ہے کہ ناحق تہمت لگانے والے کا اس فانی دنیا میں کچھ علاج نہیں

۲۔ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ آپ اول المخلوقات ہیں علی الاطلاق کہئے یا بالاضافہ۔ الخ (مناظرہ عجیبہ ص ۳)

۳۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ ص ۶۹ یہ عبارتیں بھی بالکل صاف اور واضح ہیں۔

۴۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لیجئے (تحذیر الناس) صفحہ نہم کی سطر دہم سے لیکر صفحہ یازدہم کی سطر

ہفتم تک وہ تقریر لکھی جس سے خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی اور خاتمیت مرتبی تینوں بدلالت مطابقی ثابت ہوجائیں اور اسی تقریر کو اپنا مختار قرار دیا۔ الخ (مناظرہ عجیبہ ص۵۰) اس عبارت میں مولانا موصوف نے جہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت مکانی اور خاتمیت مرتبی کو دلیل مطابقی سے ثابت تسلیم کیا ہے۔ وہاں آپ کی خاتمیت زمانی کو بھی دلیل مطابقی ہی سے ثابت گردانا ہے۔ اور اس کو اپنا مختار اور پسندیدہ مسلک دعقیدہ بتایا ہے۔

۵۔ خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص۳) یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل صاف اور روشن ہے۔

۶۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ (مناظرہ عجیبہ ص۵۰)

یہ عبارت بھی بالکل صاف ہے، اور اس میں کسی قسم کی کوئی الجھن اور اشکال نہیں ہے۔

۷۔ مولانا نانوتویؒ تحذیر الناس کی عبارت کی تشریح و تفصیل کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب امروہیؒ کے جواب میں رقمطراز ہیں کہ۔ مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی۔ ہاں آپ گوشۂ عنایت و توجہ سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں اخبار بالعلۃ مکذب اخبار بالمعلول نہیں بلکہ اس کا مصدق اور موید ہوتا ہے۔ اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اسکی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر اور شروع تحذیر ہی میں اقتضاء خاتمیت مرتبی کا بہ نسبت خاتمیت زمانی ذکر کر دیا یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھئے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہوجائیں گے۔ جیسی طرح آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ۔ میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں۔ اور اس ایک مفہوم کا انواعِ مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص۳۷)

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ مولانا موصوفؒ ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں بلکہ اس کے مثبت اور موید ہیں اور لفظ خاتم سے وہ صرف ختم نبوت زمانی ہی کو نہیں بلکہ ختم نبوت زمانی ختم نبوت مکانی اور ختم نبوت مرتبی تینوں کے اثبات کے درپئے ہیں اور ان میں سے کسی قسم کو لفظ خاتم سے نکالنے پر مادہ نہیں اور قوت بیان اور زور دلائل سے وہ ہر قسم کی نبوت، کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ختم تسلیم کروانے پر مصر ہیں۔
۸۔ سو اگر اطلاق و عموم ہے۔ تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے۔ ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (اوکما قال) جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ہی ہو گا۔ جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہو گا۔ (تحذیر الناس صہ ۹)

اس عبارت میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے ختم نبوت زمانی کو نہ صرف یہ کہ منطقی دلیل ہی سے تسلیم کیا ہے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت زمانی لفظ خاتم النبیین سے ثابت ہے۔ جو قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور حدیث اور اجماع امت سے بھی یہ ثابت ہے اور جس طرح فرائض وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے۔ اسی طرح ختم نبوت زمانی کا منکر بھی کافر ہے۔

۹۔ اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ (مناظرہ عجیبہ صہ ۱۰۳)

یہ سب عبارتیں حجۃ الاسلام حکیم الامت قاسم الخیرات والعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کی ہیں، ان تصریحات کی موجودگی میں اگر مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کے معتقدین یہ باطل اور مردود دعویٰ کرتے ہیں کہ مولانا موصوفؒ معاذ اللہ تعالیٰ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں اور اس پر بلا وجہ وہ ان کی تکفیر کرتے اور اس پر مصر ہیں تو اس سے بڑھ کر بددیانتی، ہٹ دھرمی اور تعصب کی بدترین مثال دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے۔ ؟ اور اسی طرح اگر خانہ ساز نبوت کے مدعی قادیانی کذاب و دجال کی نبوت ثابت کرنے کے لئے حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبارات سے یہ غلط نظریہ کشید کرتے ہیں کہ موصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراء نبوت کے قائل تھے۔ تو یہ بھی قطعاً باطل اور یقیناً مردود ہے۔ مولانا نانوتویؒ تو تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے ہونے کا سرے سے احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا کسی اور کو آپ کے بعد نبی ماننا تو درکنار جو اس میں تامل کرے مولانا موصوفؒ اسکو بھی کافر سمجھتے ہیں، الغرض حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ختم نبوت کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے۔ البتہ ضد اور تعصب کی وجہ سے بلاوجہ الزام اور بہتان کا اس دنیا میں سرے سے کوئی علاج نہیں اس کا عادلانہ علاج تو عالم آخرت ہی میں ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ☆

احوال وکوائف

نتیجہ امتحانات شرکاء دورۂ حدیث ۱۳۹۳ھ دار العلوم حقانیہ ملحقہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کل نمبر ۴۰۰۔ کامیاب درجہ علیا ۳۶۰ یا اس سے زائد۔ کامیاب درجہ وسطیٰ ۳۰۰ یا اس سے زائد۔ کامیاب درجہ ادنیٰ ۲۴۰ یا اس سے زائد۔ صرف کامیاب طلباء کا نتیجہ درج ذیل ہے۔ نمبر ۱۲۸ کو بخاری اور نمبر ۳۴ کو ترمذی میں دوبارہ امتحان دینا ہوگا۔

رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر	رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر
۱	مولوی علی اکبر بن قادر علی	۲۸۵	۲۲	مولوی عبدالواحد بن حاجی امام	۴۱۳
۲	" زین الدین بن عبدالکریم	۳۴۲	۲۳	" غلام سرور بن زرسینے خان	۳۵۸
۴	" محمد رؤف بن محمد سلطان	۳۰۱	۲۴	" سرکندین منور خان	۳۲۴
۶	" عنایت ربی بن عبدالمقدس	۳۲۲	۲۵	" عبدالرحمان بن عبدالباقی	۲۸۹
۷	" عبدالعزیز بن مولابخش	۳۵۷	۲۶	" علی محمد بن صادق	۳۳۱
۸	" محمد شریف بن محمد اللہ	۳۵۰	۲۷	" شمس الحق بن احمد شاہ	۳۴۲
۹	" رفیع اللہ بن عبداللہ	۳۷۹	۲۸	" معشوق جان بن بادشاہ گل	۲۹۴
۱۰	" سید گل صاحب شاہ بن سید نور حسن شاہ	۳۳۴	۲۹	" امان اللہ خان بن بلبلی خان	۳۰۶
۱۳	" محمد ظاہر شاہ بن عبدالکریم	۴۱۹	۳۰	" غلام سخی بن گل داد خان	۴۰۱
۱۴	" مطیع اللہ بن محی الدین	۴۱۴	۳۱	" سرفراز خان بن شادی خان	۳۳۲
۱۵	" عبدالکریم بن نور خان	۳۴۱	۳۲	" گل رحیم بن صادق شاہ	۳۳۷
۱۶	" سید اعتبار شاہ بن [illegible] رسول شاہ	۳۴۶	۳۳	" فضل وہاب بن فضل اکبر	۳۲۴
۱۷	" سبحان اللہ بن بادشاہ گل	۳۳۹	۳۴	" عبدالکریم بن عبدالقیوم	ترمذی
۱۸	" محمد حسن بن فقیر حسین	۲۴۶	۳۵	" عبدالسلام بن رحمت اللہ	۳۰۸
۱۹	" محب اللہ بن زلبود	۴۲۶	۳۶	" جمال الدین بن خداشنے نظر	۳۴۳
۲۰	" فیض اللہ بن محمد شنکل	۳۲۸	۳۷	" عبدالرحیم بن بزرجمال	۳۰۴
۲۱	" علم سید بن صاحب الحق	۲۶۹	۳۸	" لعل محمد بن مہابت خان	۳۴۹

رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر	رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر
۴۰	مولوی نیک بدین بن خان بدین	۲۸۷	۶۶	مولوی بادشاہ گل بن حبیب الرحمان	۳۳۷
۴۱	〃 ولی الدین بن خالد دین	۲۵۹	۶۷	〃 محمد زمین بن آدم خان	۴۲۰
۴۲	〃 میر شاہد اللہ بن غازی گل	۴۵۶	۶۸	〃 سعید الحق بن سید بختیار	۳۸۹
۴۳	〃 رسول محمد بن غلام محمد	۳۶۲	۶۹	〃 شیر عالم بن سر بلند	۲۸۸
۴۴	〃 سردار خان بن بور دل خان	۳۰۷	۷۰	〃 گل نواز بن قادر خان	۲۶۷
۴۵	〃 محب اللہ بن گل محمد خان	۲۹۲	۷۱	〃 علیم اللہ بن مسکین اللہ	۳۱۰
۴۶	〃 ولی اللہ بن عبد الواسع	۲۸۶	۷۲	〃 سعد الحق بن حنیف اللہ	۳۲۲
۴۷	〃 حبیب الرحمان بن سیف اللہ خان	۳۵۱	۷۳	〃 حبیب اللہ بن اللہ داد	۳۳۹
۴۸	〃 عبد الرشید بن عبد الرزاق	۳۰۷	۷۴	〃 محمد زمان بن عبد الحسن	۳۵۴
۴۹	〃 فضل الرحمان بن میاں گل جان	۳۲۶	۷۵	〃 حلیمے بن محمد حسین	۲۷۶
۵۰	〃 زیور شاہ بن زقوم شاہ	۳۳۴	۷۶	〃 عبد الرشید خان بن فقیر محمد	۳۸۲
۵۱	〃 وزیر شاہ بن سید سکندر شاہ	۲۷۴	۷۷	〃 محمد طیب بن فضل احد	۲۵۳
۵۲	〃 محمد شعیب بن عبد الحنان	۳۷۵	۷۹	〃 عتیق الرحمان بن خورشید علی	۲۸۰
۵۳	〃 محبوب الرحمان بن عبد الرحمان	۴۷۲	۸۰	〃 عبد العلی بن عبد الہادی	۳۰۶
۵۴	〃 شہزادہ عثمان بن حمید جان	۳۷۵	۸۱	〃 سید عبد الغفار بن عبد العزیز	۲۸۷
۵۵	〃 عبد الغفور بن فاتح گل	۳۷۶	۸۲	〃 عبد اللطیف بن نور الرحمان	۳۵۳
۵۶	〃 نور محمد بن گل محمد	۳۳۶	۸۳	〃 محمد اقبال اللہ بن جالندھر خان	۲۹۱
۵۷	〃 عبد الرحمان بن اناد گل	۲۶۵	۸۴	〃 قاری عبد الرحمان بن عبد اللہ خان	۳۴۲
۵۹	〃 محمد گل بن محمد ہاشم	۲۴۸	۸۵	〃 فضل الرحمان بن محمد دین	۲۹۹
۶۱	〃 فیروز خان بن پائندہ خان	۳۲۲	۸۶	〃 فضل کریم بن تارو	۴۳۷
۶۲	〃 عبد اللہ بن محمد حسین	۳۱۰	۸۷	〃 علیم اللہ بن حسن جان	۲۶۷
۶۳	〃 خان شیرین بن عزیز گل	۳۴۱	۸۸	〃 عبد الستار بن فضل غنی	۲۸۲
۶۴	〃 غلام اللہ بن گل محمد خان	۳۹۶	۸۹	〃 محمد ابراہیم شاہ بن عبد القادر شاہ	۲۷۷
۶۵	〃 دائم محمد بن ضیاء الدین	۲۶۲	۹۰	〃 گل محمد بن خان محمد	۲۶۹

رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر	رول نمبر	نام طالب علم	حاصل کردہ نمبر
۹۱	مولوی گل محمد بن فقیر محمد	۳۵۳	۱۱۵	مولوی محمد قاسم بن میر جان	۳۱۶
۹۲	〃 بادشاہ گل بن حضرت خان	۳۳۲	۱۱۷	〃 امیر دراز خان بن غلام دراز خان	۳۲۶
۹۳	〃 محمد ایاز بن شیر احمد	۴۰۲	۱۱۸	〃 زر جان بن شیر مست	۳۲۹
۹۴	〃 سید فقیر شاہ بن سید افضل شاہ	۲۵۶	۱۱۹	〃 عبدالقاہر بن بائل خان	۲۹۹
۹۵	〃 خالقداد بن خدائے مہر	۳۱۲	۱۲۰	〃 شیر علی بن محمد رضا	۳۳۳
۹۶	〃 عبدالبصیر بن محمد عظیم	۳۴۴	۱۲۱	〃 فضل منان بن حضرت خان	۲۹۸
۹۷	〃 محمد سلیم بن عبدالحکیم	۳۶۴	۱۲۲	〃 عبدالرشید بن شیر محمد	۴۳۲
۹۸	〃 عبدالرزاق بن محمد شاہ	۳۷۸	۱۲۳	〃 محمد عارف بن محمد ظاہر شاہ	۳۶۷
۹۹	〃 سید محمد اکبر شاہ بن سید دل محمد شاہ	۲۷۴	۱۲۴	〃 نور محمد شاہ بن محمد سلیم شاہ	۳۳۲
۱۰۰	〃 امیر الدین بن اوّل الدین	۳۱۲	۱۲۶	〃 عبدالمجید بن احمد شاہ	۲۷۹
۱۰۱	〃 احمد علی بن فضل غنی	۳۹۷	۱۲۸	〃 امیر محمد بن عبداللہ	بخاری شریف
۱۰۲	〃 سعید احمد بن مولانا سعد الدین	۳۳۵	۱۲۹	〃 محمد قمر بن شاکر اللہ	۳۳۰
۱۰۳	〃 شیر خان بن کریم داد	۲۴۰	۱۳۰	〃 محمد شعیب بن میر ولی	۴۰۱
۱۰۴	〃 محمد اقبال بن ایل خان	۳۰۳	۱۳۱	〃 محمد مرسلین بن غلام محمد	۳۱۷
۱۰۵	〃 عبدالواحد بن عبدالقادر	۳۳۱	۱۳۲	〃 محمد ظریف بن شاہ غنے	۲۸۵
۱۰۶	〃 دوا خان بن رسول خان	۲۹۸	۱۳۳	〃 تاج محمد بن محمد گل	۲۴۰
۱۰۷	〃 غلام مصطفےٰ بن حسن محمد	۲۵۲	۱۳۴	〃 محمد سعید بن داؤد محمد	۲۸۱
۱۰۸	〃 عبدالوہاب بن فضل اکبر	۲۸۶	۱۳۶	〃 رسول خان بن گل عالم خان	۲۶۸
۱۰۹	〃 محمد روز خان بن فیض الرحمان	۲۷۶	۱۳۷	〃 نور زمین خان بن رستم خان	۳۴۰
۱۱۰	〃 شاہ عالم بن ولی محمد	۳۱۹	۱۳۸	〃 عبدالحمید بن عبداللہ	۲۷۵
۱۱۱	〃 محمد شعیب بن یار محمد خان	۴۱۳	۱۴۰	〃 عبداللہ بن ضیاء الدین	(ضمنی) ۴۵
۱۱۲	〃 عنایت اللہ بن عبدالرسول	۴۵۴	۲۰۹	〃 عبدالقیوم بن وزیر محمد	(〃) ۴۰
۱۱۳	〃 عبدالبر بن محمد وزیر خان	۳۰۲	۲۱۰	〃 حسین احمد بن سعد الدین	۳۶۴
۱۱۴	〃 سیلا جان بن عبدالرحمان	۳۳۷		مولوی محبوب الرحمان ولد عبدالرحمان رول نمبر ۵۳ نے ۴۷۲ نمبر حاصل کئے اور دوم نمبر پر کامیاب ہوئے۔	

الحق
اور
دستور ساز اسمبلی

ابو سلمان شاہجہان پوری - کراچی

ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب علم و قلم ہیں۔ ماہنامہ قومی زبان کراچی سے وابستہ ہیں۔ الحق کے خاص شمارہ کے بارہ میں ان کے تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں ________ س ۔

★

گزشتہ سات آٹھ برس سے الحق نکل رہا ہے۔ اور تقریباً ڈھائی سال سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس مدت میں اس کے علمی مضامین، تحقیقی مقالات، فکر انگیز تبصرے، سیاسی حالات و مسائل پر ایمان افروز اداریئے اور مختلف دینی موضوعات اور ملک کے سیاسی، سماجی، اخلاقی مسائل پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر پڑھ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ دینی افکار اور اسلامی علوم و معارف کا بیش بہا سرمایہ ہے، جو الحق کے صفحات میں جمع ہو گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کی خدمت کا میدان صرف درس و تدریس ہی نہیں علم و تحقیق، تبلیغ و اشاعت دین اور ملک و ملت کی زندگی کے مختلف گوشوں تک پھیلا ہوا ہے ________ ۔

الحق کا پیش نظر شمارہ اپریل کا ہے جو دستور اور دستور ساز اسمبلی کے عنوان سے ہے۔ اس میں صرف دو مضمون ہیں۔ پہلا پچپن صفحے کا مضمون ایڈیٹر الحق مولانا سمیع الحق کے قلم سے ہے: اس میں دستور ساز اسمبلی میں مسودہ آئین کو اسلامی جمہوری اور عوامی بنانے والی ترمیمات حزب اختلاف کے نقطۂ نظر اور حزب اقتدار کے ردِ عمل کی نہایت جامع اور مستند روداد ہے۔ دوسرا حصہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی اسمبلی کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو انہوں نے دستور کی مختلف دفعات پر ترامیم پیش کرتے ہوئے کی تھیں۔

الحق کا یہ شمارہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں اپنے افکار و شخصیت کے حقیقی خدوخال دیکھ سکتے ہیں۔ یہ پاکستان کے ایک اہم اور نازک دور کی تاریخ ہے، جو ملک کے مستقبل کو متاثر کرے گی۔ اور آئندہ نسلیں اسی تاریخ کی روشنی میں موجودہ دور اور اس کے

رہنماؤں کے بارے میں اچھے یا برے الفاظ میں یاد کریں گی۔ ایڈیٹر الحق نے ملک کی تاریخ کے ان نازک لمحات اور دستور سازی کی اس روداد کو نہایت پابندی اور دیانتداری کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔

مولانا عبدالحق نے دستور کی مختلف دفعات میں جو ترامیم پیش کیں۔ اور ان کے لئے جو دلائل دئے ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر دستور کی دفعات، اس کی زبان و بیان اور اس کے عواقب و نتائج پر کتنی گہری ہے۔ ان کی ترمیموں اور تقریروں کے مطالعے سے ان کے پختہ سیاسی شعور اور کمال بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض سیاسی اور نام نہاد اسلامی جماعتوں سے ان کے بنیادی اختلافات معلوم و مشہور ہیں۔ لیکن یہ ان کے اعلیٰ ظرف کی دلیل ہے کہ تعمیر ملت کے کاموں میں اپنے رویے پر اس کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی۔

کچھ بزرگوں کے تذکرے ہم نے کتابوں میں پڑھے ہیں کہ انہوں نے اپنے علم و بصیرت اور عزیمت دعوت کی ہر زمانے میں شمع روشن کی ہے۔ اور اپنے نقش قدم دوسروں کے لئے رہنما چھوڑ گئے۔ مولانا عبدالحق اس دور میں انہیں علمائے حق کی یادگار ہیں۔ مولانا موصوف نے دستور سازی میں جو تعمیری اور نہایت اہم کردار ادا کیا ہے وہ ان کی ملی، دینی خدمات اور ان کی سیرت کا ایک نہایت اہم اور روشن باب ہے۔ سوانح حیات کے اس باب کی تالیف کے لئے الحق کے اس شمارے میں بہترین مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ ■